سلام

معنی ومفہوم، اہمیت وفضیلت، احکام وآداب

تالیف
مولانا مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ تعالیٰ
سینئر ریسرچ سکالر دار السلام

بن حافظ عبدالسلام محمد حفظہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث جامعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ مرید کے

معنی ومفہوم اہمیت وفضیلت احکام وآداب

تالیف

مولانا مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ

تقدیم ونظر ثانی

حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ

نام کتاب	:	سلام معنی ومفہوم، اہمیت وفضیلت، احکام وآداب
تالیف	:	مولانا عبد مفتی عبدالولی خان ﷾
تقدیم ونظر ثانی	:	حافظ عبدالسلام ابن محمد ﷾
سن اشاعت	:	۲۰۱۴ء
باہتمام	:	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس (پرائیویٹ لمیٹڈ)
تعداد	:	۱۰۰۰
تعداد صفحات	:	۲۰۰
قیمت	:	
مطبع	:	گلشن آفسیٹ پرنٹر، دہلی

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔
نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

ATEQAD PUBLISHING HOUSE Pvt. Ltd.
3095, Sir Syed Ahmed Road, Darya Ganj, New Delhi 2
Ph.: 011-23266879, 23276879, Fax:011-23256662
e-mail:ateqad@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

باب اول

باب دوم

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، أَمَّا بَعْدُ!

سلام ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے، اس سے باہمی اخوت ومحبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نیکیوں کے حصول اور جنت میں داخلے کا بہترین سبب اور ذریعہ ہے، لیکن افسوس کہ مسلم معاشرہ میں یہ سنت مفقود ومتروک ہے۔

اس کی بہت سی وجوہات ہیں:

1......مسلمان اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔

2......غرور وتکبر کی وجہ سے کسی کو سلام کہنا اپنے لیے کسر شان سمجھتے ہیں۔

3......بعض مسلمانوں (جنھوں نے شریعت اسلامیہ کو نام نہاد فقہ کا پابند کر دیا ہے) کی اس سنت پر عائد کردہ بے بنیاد پابندیاں۔

4 .... امت مسلمہ اسلامی اقدار وروایات کو بھلا کر تقلید مغرب میں اس قدر ڈوب چکی ہے کہ وہ الفاظ سلام (السلام علیکم) کے بجائے ہیلو، ہائے، گڈ مارننگ، گڈ نائٹ وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں سلام کی بہت زیادہ اہمیت وفضیلت ہے، اس اہم وافضل عمل کو مسلمانوں کے سامنے روشناس کرانے کے لیے محترم مولانا مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ نے بہترین مقالہ تحریر فرمایا، دراصل یہ استاد محترم کے دروس کا وہ پھیلاؤ ہے جو انھوں نے جامع مسجد ام القریٰ (معہد العالی مریدکے) میں ارشاد فرمائے، بعد ازاں انھیں شیخ الحدیث والتفسیر مولانا حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ کی نصیحت ومشورہ کے مطابق کتابی صورت میں جمع کر دیا گیا۔

مجھے اور میرے چھوٹے بھائی سلیم اللہ حفظہ اللہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہم نے ان دونوں شیوخ سے بہت سی تدریسی کتب خصوصاً ''ترجمہ قرآن اور صحیح بخاری'' پڑھی ہیں، والحمد للّٰہ۔

چونکہ میں نے ان دروس کو سنا تھا اور مسودہ بھی پڑھا، دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس عظیم علمی مقالہ کو میں اپنے مکتبہ ''دارالفکر الاسلامی'' کی طرف سے شائع کروں، چنانچہ استاد محترم کے سامنے اس بات کا اظہار کیا، تو انھوں نے مجھے اسے طبع کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

اب الحمد للہ یہ کتاب مؤلف محترم کی نظر ثانی، تصحیح و تنقیح اور تہذیب و تسہیل کے بعد ہر طرح کی طباعتی آرائش سے مزین آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کی طباعت میں جو بھی بہتری ہے وہ اللہ رب العزت کی جانب سے ہے اور اگر کوئی نقص یا عیب ہے تو اس سے کوئی بھی انسان بچا ہوا نہیں۔

میں استادِ محترم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ ان سے اپنے دین کا بہت زیادہ کام لے، اسی طرح محترم ابو سعد حافظ عبدالوہاب حفظہ اللہ اور محترم ابو سفیان عزیزی حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے کتاب کی کمپوزنگ ، اور ڈیزائننگ میں میری معاونت فرمائی، جزاھم اللّٰہ خیرا۔

آخر میں، میں اللہ رب العزت کے سامنے انتہائی عاجزی اور انکساری سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے والدین کا سایہ عاطفت ہم پر رکھے اور ہمیں صراط مستقیم پر کاربند رہتے ہوئے جنت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

حافظ علیم اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

(فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ)

اُمت مسلمہ کی سربلندی کے لیے باہمی محبت و الفت اور اتفاق و اتحاد جس قدر ضروری ہے کسی شخص پر مخفی نہیں اور اس وقت اُمت میں جو باہمی بغض و عداوت اور تفرق و اختلاف ہے وہ سب کے سامنے واضح ہے۔ اس کے نتیجے میں ذلت و غلامی کا جو عذاب ہم پر مسلط ہے، ہر دردمند اور خیر خواہ شخص اس کے اسباب پر غور کرتا ہے اور اس کے علاج کی فکر کرتا ہے اور خواہش رکھتا ہے کہ کاش کسی طرح مسلمان پھر ﴿أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾۔ [الفتح: 48:26] بن جائیں ایک دوسرے سے دوستی، رحم دلی اور شفقت میں ایک جسم کی مانند ہو جائیں دیوار کی اینٹوں کی طرح ایک دوسرے کو قوت اور سہارا دینے والے بن جائیں مگر یہ مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے بغیر کسی صورت حاصل نہیں ہو سکتا جس میں سب سے پہلی چیز ہر قسم کی فرقہ بندی کو چھوڑ کر صرف اور صرف کتاب و سنت پر متفق ہونا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾۔ [الأنفال: 8: 46]

"اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا، كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِي وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ». (المستدرك للحاكم: 93/1، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1721)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت اور وہ دونوں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے حتی کہ میرے پاس حوض پر آ جائیں۔''

کتاب و سنت پر متفق ہونے کے بعد محبت و اتفاق کی یہ نعمت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر اس کام سے اجتناب کیا جائے جس سے آپس میں بغض پیدا ہوتا ہے، مثلاً: مذاق، غیبت، بہتان، بدگمانی، جاسوسی، اور ہر قسم کی مذہبی، نسلی، قومی یا وطنی دھڑے بندی وغیرہ اور ہر اس کام کا اہتمام کیا جائے جس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ ان کاموں میں سب پہلا کام جو ہر مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمان کا حق ہے، ایک دوسرے کو سلام کہنا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ».

(صحیح مسلم: 54)

''تم جنت میں نہیں جا سکو گے جب تک مومن نہ بنو اور مومن نہیں بنو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمھیں وہ چیز بتاؤں جب تم اس پر عمل کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ وہ یہ ہے کہ آپس میں

سلام عام کرو۔"

اب آپ اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائیں کیا ہم آپ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کر رہے ہیں؟ یقیناً آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے اس حکم پر عمل تقریباً ترک کر دیا ہے۔ اس کا باعث ایک تو سستی اور لا پروائی ہے اور دوسرا کچھ لوگوں کا ایسے دینی وشرعی ضابطے اپنی طرف سے بنا لینا ہے کہ جن سے یہ فریضہ واجب ہونے کی بجائے حرام یا مکروہ بن گیا ہے۔ مجھے اس وقت سخت حیرت ہوئی جب میں چند بھائیوں کے ساتھ رائیونڈ میں تبلیغی جماعت کا مرکز دیکھنے کے لیے گیا، سینکڑوں لوگ آ جا رہے تھے مگر کوئی کسی کو سلام نہ کہتا تھا، جب ہم سلام کہتے تو حیرت سے ہماری طرف دیکھتے۔ میرے ساتھیوں نے بھی یہ بات شدت سے محسوس کی کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں میں ہماری نجات ہے تو یہ بھائی اس عمل سے کیوں گریز کر رہے ہیں۔ بعد میں عقدہ کھلا کہ یہ حضرات حنفی مذہب پر کاربند ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو سلام نہیں کہتے۔ اگرچہ ہم نے بھی فقہ حنفی کی کتابیں پڑھی اور پڑھائی ہیں مگر اس مسئلے کی طرف توجہ نہ ہو سکی کہ اس فقہ میں سلام کہنے اور جواب دینے کے آداب وشرائط کیا ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ایک اتفاق ہی تھا کہ ایک دن ہم نے اپنے بھائی مولانا عبدالولی خان تولاہ اللہ تعالیٰ سے ظہر کے بعد سلام کی اہمیت پر درس کی درخواست کی کیونکہ ان کا فقہ حنفی پر مطالعہ بہت وسیع ہے اس لیے انھوں نے سلام کی اہمیت کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی کی وہ شروط بھی بیان کیں جن سے سلام تقریباً کالعدم ہو جاتا ہے اور ان کا رد بھی کیا۔ میں نے محترم مولانا صاحب سے عرض کیا کہ آپ ایک رسالہ لکھیں جس میں کتاب وسنت سے سلام کی فضیلت واہمیت کا ثبوت ہو اور جن لوگوں نے اس فریضہ کو باطل کرنے کے لیے اپنی طرف سے شرائط بنائی ہیں ان کا بحوالہ

تذکرہ اور دلائل کے ساتھ رد بھی ہو۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے امت مسلمہ میں یہ متروکہ فریضہ دوبارہ زندہ فرمادے اور ہم پھر باہمی محبت والفت کی اس نعمت کو دوبارہ حاصل کر لیں جس سے ہم محروم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ

جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ (مریدکے)

صفر 1426ھ

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾﴾ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.

(مسند أحمد: 1/302 صحيح مسلم، نسائی، ابن ماجه، خطبة الحاجة للالباني رحمه الله)

* ......سلام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔
* ......سلام آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم کا تحیہ ہے۔
* ......سلام ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر ایک ثابت و لازم حق ہے۔

* ......سلام مسلمانوں کی باہمی محبت، اتفاق واخوت کا باعث ومفتاح ہے۔
* ......سلام اسلام کی دلیل اور سلام میں سلامتی ہے۔
* ......سلام مسلمان کی طرف سے اپنے مسلمان بھائی کے لیے تحفہ، دُعا اور تذکیر ہے۔
* ......سلام کہنا انسان کے اسلام کے بہتر ہونے کی دلیل ہے۔
* ......سلام کا اِفشاء و عام کرنا ایک عظیم سخاوت ہے۔
* ......سلام مسلمانوں کا امتیازی وملی شعار ہے۔
* ...... سلام مسلمان کا مسلمان سے ملتے وقت اور جدا ہوتے وقت ابتدائے کلام وانتہائے کلام ہے۔
* ......سلام مسلمان کا ذکر ہے اور ایک مہتم بالشان عمل ہے۔
* ......رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔

اس اہمیت، تاکید، فضیلت اور اتنے بے شمار فوائد کے باوجود آج کے مسلم معاشرے میں سلام نظر نہیں آتا، سلام متروک ہے، سلام کو مسلمانوں کے معاشرہ سے، مسلمانوں کی آبادی سے، گھر بار سے نکال دیا گیا ہے، مساجد میں سلام نہیں، مدارس میں متروک ہے۔ محاکم میں جائیں یا دفاتر میں؛ سلام نہیں ملے گا، دارالِافتاء میں جائیں یا کسی فقیہ اور واعظ کی مجلس میں، سلام کا ناطقہ بند کردہ پاؤ گے، سلام راستے میں نہیں ہے، تو مطعم میں بھی ممنوع پائیں گے، شاگرد استاد کو سلام نہیں کہتا تو دوسری طرف لائبریری (دارالمطالعہ) میں گویا کہ ''سلام ممنوع ہے'' کا بورڈ آویزاں ہے۔ الغرض کہ جہاں مسلمانوں کا اجتماع ممکن ہے وہاں سلام متروک ہے یا اس کا داخلہ بند کر دیا گیا ہے، آخر یہ کیوں ہے؟، اور امت کا آخر اس کے اول سے اس قدر مختلف کیسے ہوگیا؟!

اس کی بہت سی وجوہات اور اسباب ہیں، جہل و بے علمی، غرور وتکبر، تقلید مغرب اور ان

سے مرعوبیت ، اوران تمام وجوہات واسباب میں سے بڑھ کر ایک بنیادی سبب وعلت بعض مذاہب کی طرف سے سلام پر عائد کردہ خود ساختہ و خانہ ساز پابندیاں ہیں، یعنی عام طور پر مسلمان ایک دوسرے کو اس لیے سلام نہیں کہتے کہ انھیں سلام کے احکام و اہمیت کا علم ہی نہیں ہوتا یا علم تو ہوتا ہے لیکن سلام کہنے کو اپنے لیے کسرِ شان سمجھتے ہیں تو تکبر وغرور کی وجہ سے ایک دوسرے کو سلام نہیں کہتے ، یا بعض لوگ مغرب کی تقلید اوران سے مرعوبیت کی بنا پر الفاظ سلام کہنے کی بجائے ہیلو(Hello) ہائے (Hi) اور گڈ مارننگ (Good morning) وغیرہ کہہ جاتے ہیں۔

یا اس لیے سلام نہیں کہتے کہ بعض مذاہب (مثلاً فقہ حنفی، شافعی وغیرہ) میں سلام پر خود ساختہ پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں جن کی وجہ سے پیروانِ مذہب ترکِ سلام کو ثواب اور حکمِ شریعت سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔

اس رسالہ میں ان موانع کو دیکھتے ہوئے سلام کے احکام ومسائل کو مدلل انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، احادیث کی صحت وحسن اور تخریج پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، اس سلسلے میں امام البانی رحمہ اللہ ، شیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ اور دیگر محققین کی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے اور تحقیق و اطمینان کے بعد ہی کسی حدیث کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا گیا ہے۔

کتاب کے حصہ دو میں تنقیدی انداز (جو ضروری تھا) اختیار کرنے کی وجہ سے تحریر میں کچھ شدت محسوس ہو سکتی ہے، اس کی وجہ سنت کے لیے غیرت ہے، دل آزاری مقصود نہیں، لہٰذا قاری ہمیں اس بارے میں معذور سمجھے۔

یہ رسالہ دراصل ایک مختصر درس کا پھیلاؤ ہے، بات یہ تھی کہ جب 1421ھ میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم ہوا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کی صحیح سمجھ عطا

فرما کر تقلید و آراء الرجال کی جکڑ بندیوں اور تاریکیوں سے نکالا تو کچھ عرصہ امتحان وآزمائش میں گزرنے کے بعد محرم 1422ھ میں محترم جناب ابو سعد شبیر حفظہ اللہ مجھے جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ مرید کے میں لائے یہاں پر پختہ کار عالم، کہنہ مشق استاد حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ کی سرپرستی حاصل ہوئی۔

یہاں جامعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ میں تعلیمی سال کے دوران بعد از نمازِ ظہر مختصر اجتماعی درس کا سلسلہ قائم ہے جب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں پر تدریسی خدمات سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائی، تو راقم کو بھی اس سلسلہ میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، ایسے چند دروس میں راقم نے سلام کی اہمیت اور پھر مسلمانوں کے معاشرہ میں اس کے متروک ہونے کے اسباب و وجوہات پر گفتگو کی، اس سلسلے کو سامعین نے توجہ اور دلچسپی سے سنا اور فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ نے اسے حیطہ ءتحریر میں لانے کی فرمائش کی، میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رسالے کو مذکورہ شکل میں ترتیب دیا، رسالے کی تسوید بہت پہلے ہو چکی تھی، لیکن تدریسی مصروفیات کی وجہ سے اس کی تبییض کے لیے وقت نہیں ملتا تھا، بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی تبییض مکمل ہوئی۔ محترم شیخ حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ نے نظر ثانی فرمائی اور رسالہ موجودہ شکل میں اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے، رسالہ کی تحریر کا بنیادی مقصد اسلام کے اس عظیم حکم کے بارے میں لوگوں کو روشناس کرانا اور نبی ﷺ کے حکم أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (آپس میں سلام عام کرو) پر عمل کرنا ہے۔

ان تمام باتوں سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مقصود ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور خوشنودی سے نوازے (آمین)

رسالے کو اس شکل میں آپ تک پہنچانے میں جن حضرات نے جس طرح کا بھی

تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو بہت جزائے خیر دے، پس اگر کسی کو اس رسالے سے فائدہ ہوا تو یہی مقصود ہے اور اگر کسی کو رسالے کے مندرجات میں کسی خامی، غلطی کا پتہ لگے تو راقم کو اس پر ضرور مطلع فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

عبدالولی خان

28/محرم 1426ھ

باب اول:

سلام کا لغوی معنی

سلام جو بطور تحیہ مسلمانوں میں رائج ہے، اس کی لغوی حیثیت کے بارے میں دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ "اَلسَّلَامُ" سَلَّمَ باب تفعیل سے اسم مصدر ہے۔ سلامتی کے معنی میں، یعنی تمام آفات سے سلامتی اور شر سے حفاظت۔ جنت کا ایک نام "دارالسلام" اسی وجہ سے ہے کہ وہ آفات سے سلامتی کا گھر ہے۔ (لسان العرب 290/12، بدائع الفوائد 2/ 139)

دوسری رائے یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں یہ ذکر ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ﴾۔ [الحشر: 59: 23]

"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا غالب (ہے)۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو یوں کہتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قِبَلَ عِبَادِهِ، اَلسَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى مِيْكَآئِيْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ وَّفُلَانٍ ......»۔

"اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو، جبریل پر سلام ہو، میکائیل پر سلام ہو، فلاں، فلاں پر سلام ہو......۔"

جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرہ پھیر کر فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ». (صحیح بخاری:6230)

''اللہ پر سلام ہو'' یعنی اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ مت کہو کیونکہ اللہ خود ''اَلسَّلَام'' ہے۔

اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ». (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 184/1)

''سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں رکھا ہے، لہٰذا تم آپس میں سلام کو عام کرو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (13/11) میں ابن دقیق العید سے نقل کیا ہے کہ السلام بمعنی سلامتی کے بھی آتا ہے اور بمعنی تحیّہ کے بھی جبکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ سلام بمعنی سلامتی کے آتا ہے لیکن بحث اس میں ہے کہ مسلمانوں کے سلام وتحیہ کی اصل کیا ہے۔ '' السلام '' بمعنی سلامتی ہے یا کہ ''السلام'' اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ ہمارے خیال میں راجح بات یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہی بات ثابت ہے:

«إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ». (صحیح الأدب المفرد: 793)

''سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں رکھا ہے، لہٰذا تم آپس میں سلام کو عام کرو۔''

سلام تحیہ کا معنی

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کا معنی اللہ تعالیٰ کے نام ہونے کے لحاظ سے یہ ہوا کہ اَللّٰهُ رَقِيبٌ عَلَيْكُمْ اللہ تعالیٰ تمھارا محافظ و نگہبان رہے، اِسْمُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور مطلب یہ کہ اللہ تم پر سایہ فگن رہے، تم اس کی حفاظت میں رہو، اس کے نام کی برکت تم پر نازل ہو۔ جس طرح کہا جاتا ہے: اَللّٰهُ يَصْحَبُكَ ، وَاللّٰهُ مَعَكَ. اللہ تعالیٰ تمھارا ساتھی ہو، اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہو۔

(أحكام القرآن لابن العربي: 496/1، بدائع الفوائد لابن القيم: 142/2، الآداب الشرعية: 403/1)

اور اگر " اَلسَّلَامُ" اسم مصدر بمعنی سَلَامَةٌ (سلامتی) کے ہے تو پھر سلام تحیہ کا معنی ہے۔ سَلَامَةُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ. اللہ کی سلامتی تم پر ہو۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" دو معانی پر مشتمل ہے "اَلسَّلَامُ" اللہ تعالیٰ کے نام ہونے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور بمعنی طلب سلامتی بھی ہے، لہٰذا جو بندہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہتا ہے تو وہ اللہ کے نام کے ذکر کے ساتھ اسی اللہ سے سلامتی کی طلب بھی کرتا ہے۔ (بدائع الفوائد: 143/2)

سلام کی ابتدا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان سے کہا:

«اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى أُولٰٓئِكَ ، نَفَرٍ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ جُلُوسٍ، فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، فَقَالَ : اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ،

فَقَالُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَزَادُوْهُ: وَرَحْمَةُ اللّٰهِ».

(صحیح بخاری:6227، صحیح مسلم:7162)

''جا اور فرشتوں کی بیٹھی ہوئی اس جماعت کو سلام کر اور وہ جو جواب دیں، اُسے غور سے سن، کیونکہ وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا، پس آدم علیہ السلام نے جا کر کہا: السلام علیکم تو انھوں نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تو انھوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ السلام علیکم مسلمانوں کا یہ سلام جناب آدم علیہ السلام سے ہی چلا آرہا ہے اور ہر آسمانی دین میں یہی سلام رائج رہا ہے۔

سلام کرنے کی فضیلت، اہمیت اور اس کے پھیلانے کا حکم

قرآن وسنت کی بہت سی نصوص سلام کی فضیلت، اہمیت اور اس کے پھیلانے کے حکم پر مشتمل ہیں۔ ہم یہاں چند ایک کو ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1...... ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ﴾۔ [النور:24: 27]

''اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جاؤ جب تک تم اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔''

2...... ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ﴾۔ [النور:24: 61]

''پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو، (یہ) دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نازل شدہ۔‘‘

3...... ﴿وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَـٰتِنَا فَقُلْ سَلَـٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾۔

[الأنعام: 6: 54]

’’اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ انھیں سلام کہیے۔‘‘

یعنی انھیں سلام کر کے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکریم اور قدر افزائی کریں۔(أحسن البیان، ابن کثیر: 2/129)

4...... ﴿هَلْ أَتَىٰكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَٰهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَـٰمًا ۖ قَالَ سَلَـٰمٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾﴾۔

[الذاریات: 51: 24، 25]

’’کیا تجھے ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے؟ وہ جب ان کے ہاں آئے تو سلام کیا، ابراہیم نے جوابِ سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔‘‘

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس میں ایک انتہائی لطیف معنی کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ السلام علیکم دین اسلام سے ہے جو کہ امام الحنفاء اور ابو الانبیاء سے ملا ہے اور ملت ابراہیم علیہ السلام سے ہے جس کی اتباع کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو بیان کیا تا کہ ہم ان کی اقتدا و اتباع کریں۔(بدائع الفوائد: 2/158)

5...... ﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾﴾۔ [النساء: 4: 86]

’’اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو

لوٹا دو بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔"

تَحِيَّةٌ اصل میں تَحْيِيَةٌ (تَفْعِلَةٌ) ہے۔ یا کے یا میں ادغام کے بعد تَحِيَّةٌ ہو گیا۔ اس کے معنی ہیں: درازیٔ عمر کی دعا. اَلدُّعَاءُ بِالْحَيَاةِ . یہاں سلام کرنے کے معنی میں ہے۔ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ علماء اور مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہاں تَحِيَّةٌ سے مراد سلام ہے۔

(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي:297/5، احكام القرآن لابن العربي: 496/1)

زیادہ اچھا جواب دینے کی تفسیر حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وبرکاتہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو پھر اضافے کے انھی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ (احسن البیان :246 بحوالہ ابن کثیر: 503/1)

سلام اسلام کی نشانی ہے

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾

[النساء:4: 93]

"اور جو تم سے سلام کہے تم اسے یہ مت کہو کہ تو ایمان والا نہیں۔"

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے مسلمانوں کا لشکر بنو سلیم کے ایک آدمی سے ملا تو اس آدمی نے مسلمانوں کو السلام علیکم کہا، مسلمانوں نے کہا کہ اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے مسلمانوں والا سلام کیا ہے تو اسے قتل کر کے اس کی بکریاں ساتھ لے آئے تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر مذکورہ آیت کے تحت صحیح مسلم:421/2، جامع ترمذی: 132/2)

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سلام اسلام کی نشانی ہے اور جو شخص سلام کرے اسے قتل کرنا جائز نہیں بلکہ اُسے مسلمان تصور کیا جائے۔ اس سے بھی سلام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ: بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَآئِزِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَنَصْرِ الضَّعِيفِ، وَعَوْنِ الْمَظْلُومِ، وَإِفْشَآءِ السَّلَامِ، وَ إِبْرَارِ الْمُقْسِمِ». (صحیح بخاری:6235، صحیح مسلم: 5388)

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم فرمایا: بیمار کی مزاج پرسی کا، جنازوں کے پیچھے چلنے، یعنی اس میں شریک ہونے کا، چھینک والے کی چھینک کا جواب (یَرْحَمُكَ اللهُ کہہ کر) دینے کا، کمزور کی مدد کرنے کا، مظلوم کی فریاد رسی کرنے کا، سلام پھیلانے کا اور قسم ڈالنے والے کی قسم پورا کر دینے کا۔'' (تا کہ قسم ڈالنے والے کو تکلیف نہ ہو۔)

سلام آپس میں محبت کا ذریعہ ہے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ».

(صحیح مسلم: 54)

''تم جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے یہاں تک کہ ایمان لاؤ، اور تم مومن نہیں بن سکتے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اُسے اختیار کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو

گے۔ (وہ یہ ہے کہ) تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو۔"

(أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. یہ حدیث متواتر ہے، اور گیارہ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ دیکھئے

:إرواء الغليل: 777)

اس میں دخول جنت کے لیے ایمان کو اصل بنیاد اور اس بنیاد کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کے درمیان محبت کو اور باہمی محبت کے لیے سلام کے پھیلانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔اس سے سلام کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ».

(جامع ترمذي: 2485، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ جامع ترمذي: 1855 میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی معنی کی حدیث مروی ہے۔)

"اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رحموں کو ملاؤ (یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو) اور اس وقت اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں (یعنی تہجد کی نماز) تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔"

شناسا و غیر شناسا سب کو سلام کیا جائے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا:
أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: «تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ». (صحیح بخاری :28)

''اسلام کی کون سی بات زیادہ بہتر ہے؟ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: تم (بھوکے کو) کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، چاہے تم اُسے پہچانو یا نہ پہچانو۔''

اس حدیث میں اسلام کی نہایت بہترین باتوں میں سے دو باتیں مسکینوں کو کھانا کھلانا اور ہر شناسا اور غیر شناسا کو سلام کرنا ذکر ہے، اس سے ان دو اعمال کی اہمیت و فضیلت نہایت واضح ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: السلام علیکم ،آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرٌ. نبی ﷺ نے فرمایا: (اس کے لیے) دس نیکیاں ہیں۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ. آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عِشْرُوْنَ (اس کے لیے) بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ. آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پس وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: ثَلَاثُوْنَ (اس کے لیے) تیس نیکیاں ہیں۔

(**صحیح**: سنن أبي داود: 5195، جامع ترمذی: 2842 وقال حدیث حسن صحیح)

اس سے واضح ہوا کہ صرف السلام علیکم کے کہنے سے دس نیکیاں ملیں گی

اور ورحمة اللہ کے اضافے سے مزید دس اور و برکاتہ کے اضافے سے مزید دس نیکیاں ملیں گی۔

جو سلام نہیں کرتا وہ سب سے بڑا بخیل ہے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ فِي الدُّعَآءِ، وَأَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ». (المعجم الأوسط للطبراني: 5721 ، مجمع الزوائد: 31/8، صحيح الأدب المفرد للالباني رحمه الله: 795، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 601)

"لوگوں میں سے سب سے زیادہ کمزور وہ ہے جو دعا میں کمزور ہو اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام کے ساتھ بخل کرے۔"

اس میں دعا مانگنے اور سلام پھیلانے کی ترغیب ہے اور یہ کہ دعا میں کمزوری دکھانے والا سب سے زیادہ کمزور ہے اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام نہیں پھیلاتا۔

سلام مسلمان کا حق ہے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتْبَعْهُ». (صحيح مسلم: 5651)

"مسلمان کے حق مسلمان پر چھ ہیں: جب تو اس سے ملے تو سلام کہہ، جب وہ تجھے بلائے تو اس کے پاس جا، جب تجھ سے خیر خواہی طلب کرے

تو اس کی خیر خواہی کر، جب اُسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اُسے یرحمك الله کہہ، جب وہ بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کر اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔“

اسلام باہمی اخوت کا دین ہے ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾ مومن بھائی ہیں، مسلمانوں کے ایک دوسرے پر کئی حقوق ہیں جن میں سے یہ چھ بہت اہم ہیں۔ ان میں سب سے پہلا حق سلام کا ہے، ایک دوسرے کو سلام کہنا مسلمانوں کا حق ہے جبکہ اس حق کی ادائیگی میں مسلمان کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ عام معاشرہ سلام سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس حق کی ادائیگی میں نہایت مستعدی کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سلام اور اس کے جواب کی شرعی حیثیت

ابتداءً سلام کہنے کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ سنت ہے، یہاں تک کہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ابتداء بالسلام سنت ہے۔ (الجامع لأحکام القرآن: 298/5)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (فتح الباري: 4/11) لیکن اس پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابن مفلح نے شیخ تقی الدین سے نقل کیا ہے کہ امام احمد کے مذہب میں اس بارے میں دو روایتیں آئی ہیں اور ایک میں ابتدا بالسلام کو واجب کہا ہے، جبکہ اہل ظواہر سے بھی وجوب ہی نقل ہے۔ (الآداب الشرعیة: 351/1)

اور جوابِ سلام کے واجب ہونے پر تقریباً تمام علماء کا اتفاق ہے، جبکہ دلائل کی

رُو سے ابتداء بالسلام کا واجب ہونا بھی ظاہر ہے اور جسے سلام کیا گیا اس پر جوابِ سلام واجب ہو گیا۔

سلام کے واجب ہونے کے دلائل

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾۔ [النور:24: 61]

''پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو (یہ) دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ۔''

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے جس میں ہے:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعٍ: وَفِيهِ. وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ».

(صحيح بخاری: 6235، صحيح مسلم: 5388)

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم فرمایا: اور اس میں سلام پھیلانے کا حکم بھی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ سِتٌّ: إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ»۔ (صحيح مسلم: 5651)

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں جب تو اس سے ملے تو اُسے سلام کہہ۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»۔ (صحيح مسلم:54)

''اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ، أَوْ حَجَرٌ، فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ أَيْضًا».

(**صحيح**: سنن أبي داود: 5200، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 186)

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے، پس اگر ان کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے، پھر اُس سے ملے تو لازم ہے کہ اُسے پھر سلام کرے۔''

ان آیات و احادیث میں سلام کرنے کے متعلق امر کے صیغے ہیں اور امر اصلاً وجوب کے لیے آتا ہے۔

جوابِ سلام کے واجب ہونے کے دلائل

مندرجہ بالا دلائل سلام کے واجب ہونے پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں، جبکہ جوابِ سلام کے واجب ہونے پر اتفاق ہے اور اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ - [النساء: 4: 86]

''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: رَدُّ السَّلَامِ ...... إلخ».

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، سلام کا جواب دینا......''

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص ایک جماعت کو سلام کرتا ہے، لیکن وہ جواب نہیں دیتے، تو کیا حکم ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

يُسْرِعُ فِي خُطَاهُ ، لَا تَلْحَقُهُ اللَّعْنَةُ مَعَ الْقَوْمِ. (الآداب الشرعیہ: 356/1)

''یہ شخص جلدی یہاں سے نکلے تاکہ اس قوم پر برسنے والی لعنت میں وہ شامل نہ ہو جائے۔''

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا:

(اَلْحُجَّةُ فِي فَرْضِ رَدِّ السَّلَامِ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا﴾. [النساء: 4: 86] وَالرَّدُّ وَاجِبٌ عِنْدَ جَمِيْعِهِمْ). (التمهيد لابن عبدالبر: 5/288،289)

جوابِ سلام کے فرض ہونے پر دلیل یہ آیت کریمہ ہے اور جواب دینا سب کے نزدیک واجب ہے۔

جماعت میں سے ایک کا سلام کہنا یا ایک کا جواب دینا کافی ہے

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ إِذَا مَرُّوْا أَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ ، وَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ أَنْ يَرُدَّ أَحَدُهُمْ».

(**صحیح**: سنن أبي داود: 5210، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 1148، اس حدیث کو بعض علماء نے صحیح قرار دیا ہے جبکہ علامہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ إرواء الغليل: 778)

''جماعت کی طرف سے جب وہ (کہیں سے) گزریں، ان میں سے ایک

آدمی کا سلام کہہ دینا کافی ہے اور جماعت کی طرف سے ایک آدمی سلام کا جواب دے تو یہ کافی ہے۔''

فائدہ: اگر جماعت کی طرف سے ایک آدمی سلام کہہ دے تو سب کا فرض ادا ہو گیا ورنہ سب گناہ گار ہوں گے، جواب کا بھی یہی حکم ہے۔ ایک آدمی کا سلام کہہ دینا کافی ہے لیکن اگر سب سلام کہیں تو بہتر ہے اسی طرح اگر سب لوگ جواب دیں تو افضل ہے۔

سلام کا جواب کوئی نہ دے تو فرشتے جواب دیتے ہیں

مذکورہ نصوص و دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سلام کہنا اور اس کا جواب دینا واجب ہے ہاں اگر جماعت ہے تو ان میں سے ایک کا سلام کہنا یا ایک کا جواب دینا کافی ہے۔ لیکن اگر سلام نہ کیا جائے یا سلام کا جواب نہ دیا جائے تو یہ جرم اور گناہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام و ارشادات کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جرم سے بچائے رکھے، آمین۔

اور اگر کسی نے سلام کیا اور اُسے جواب نہیں دیا گیا تو جواب نہ دینے والا گناہ گار ہے اور اس کے سلام کا جواب ان لوگوں سے بہتر لوگ دے دیتے ہیں، لہٰذا اُسے غمزدہ نہیں ہونا چاہئے اور بہرحال سلام کہنا چاہئے خواہ کوئی جواب دے یا نہ دے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

«إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ ، فَإِنَّ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَرَّ بِقَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، فَرَدُّوْا عَلَيْهِ ؛ كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَضْلُ دَرَجَةٍ بِتَذْكِيْرِهِ إِيَّاهُمُ السَّلَامَ ، فَإِنْ لَّمْ يَرُدُّوْا عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُمْ»

(سلسلة الأحاديث الصحيحة:184، الترغيب:267/3 نقلاً عن البزار:1999، الطبراني، وأحد إسنادی البزار جید قوی۔ قاله المنذری۔ امام بخاری نے الأدب المفرد: 1039، میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح موقوفا روایت کیا ہے جو کہ بحکم مرفوع ہے۔ قاله الألباني رحمہ اللہ)

یقیناً ''السلام'' اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اسے اللہ نے زمین میں رکھا ہے، لہٰذا سلام کو اپنے درمیان عام کرو، پس جب مسلمان آدمی کا کسی قوم پر گزر ہوتا ہے اور وہ انھیں سلام کرتا ہے، پھر وہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو اس شخص کو ان پر ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، اس لیے کہ اس نے ان کو سلام یاد دلایا، پس اگر وہ لوگ اس کے سلام کا جواب نہ دیں تو اس کا جواب ان لوگوں سے بہتر لوگ دیتے ہیں۔''

عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا:

«مَرَرْتُ بِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أُمِّ الْحَكَمِ فَسَلَّمْتُ فَمَا رَدَّ عَلَيَّ شَيْئًا فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي! مَا يَكُوْنُ عَلَيْكَ مِنْ ذٰلِكَ؟ رَدَّ عَلَيْكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ ، مَلَكٌ عَنْ يَمِيْنِهِ».

(الأدب المفرد :38، شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح الإسناد موقوفاً علی أبی ذر رضی اللہ عنہ، صحیح الأدب المفرد: 792، اور یہ بحکم مرفوع ہے۔)

''میں عبدالرحمٰن بن ام الحکم کے پاس سے گزرا، میں نے سلام کیا،اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا تو ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے بھتیجے! اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟ تجھے تیرے سلام کا جواب اس نے دیا جو اس سے بہتر ہے، دائیں طرف کا فرشتہ۔''

الفاظِ سلام وجواب

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ارشاد فرماتا ہے:

1...... ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾.

[الأنعام: 6: 54]

"اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان کو سلام کہیے۔"

2...... ﴿وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾. [الاعراف: 7: 46]

"اور اصحاب اعراف جنتیوں کو آواز دیں گے کہ سلام علیکم۔"

3...... ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾.

[الرعد: 13: 24]

"(کہیں گے) تم پر سلامتی ہو، صبر کے بدلے، کیا ہی اچھا (بدلہ) ہے اس دار آخرت کا۔"

4...... ﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾. [مریم: 19: 47]

"اس نے کہا: تم پر سلام ہو میں تو اپنے رب سے تمھاری بخشش کی دعا کروں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ ابراہیم علیہ السلام کا قول ذکر کیا اور آپ نے یہ ابتدا میں کہا تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کھلا دشمن ہے تو پھر آپ نے یہ دعا کا سلسلہ موقوف کر کے اس سے بیزار ہو گئے، جیسا کہ سورۂ توبہ 113 میں ہے۔ اسی طرح کافر و مشرک کو سلام کرنا بھی منع ہے، لہٰذا آیت کریمہ کو صرف مسلمان کے لیے سلام کے الفاظ کے تناظر میں دیکھا اور سمجھا جائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان سے کہا:

«اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ ، نَفَرٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٍ، فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَ تَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَزَادُوهُ: وَرَحْمَةُ اللّٰهِ».

(صحیح بخاری:6227، صحیح مسلم:7162)

''جا اور فرشتوں کی بیٹھی ہوئی اس جماعت کو سلام کر اور وہ جو جواب دیں، اُسے غور سے سن، کیونکہ وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہو گا، پس آدم علیہ السلام نے جا کر کہا: السلام علیکم تو انھوں نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تو انھوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا۔''

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: السلام علیکم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ شخص بیٹھ گیا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرٌ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس کے لیے) دس نیکیاں ہیں۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عِشْرُونَ (اس کے لیے) بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا، پس وہ بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثَلَاثُونَ (اس کے لیے) تیس نیکیاں ہیں۔

(**صحیح**: سنن أبي داود: 5195،جامع ترمذي: 2842 وقال حديث حسن صحيح)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا لَقِيَ الرَّجُلُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ فَلْيَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ». (جامع ترمذي:394/3، عمل اليوم والليلة لإبن السني:633، سلسلة الأحاديث الصحيحة :1403)

''جب آدمی اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو کہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

جوابِ سلام

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِي ظِلِّ شَجَرَةٍ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ إِذْ جَآءَ أَعْرَابِيٌّ مِنْ أَجْلَفِ النَّاسِ وَأَشَدِّهِمْ فَقَالُوا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: وَعَلَيْكَ». (صحيح الأدب المفرد:787)

''ہم نبی کریم (ﷺ) کے پاس مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک درخت کے سائے کے نیچے بیٹھے تھے کہ اچانک ایک نہایت اجڈ سخت ترین قسم کے دیہاتی نے آکر السلام علیکم کہا تو صحابہ نے وعلیک سے جواب دیا۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ''مسيئ الصلاة'' کی طویل حدیث میں مروی ہے:

«أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، فَصَلّٰى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ». (صحیح بخاری: 6251)

''ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک کونے میں

تشریف فرما تھے، اس شخص نے نماز پڑھی، پھر آ کر آپ کو سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے اُسے فرمایا: وعلیک السلام واپس جا اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔''

ابو جمرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِذَا يُسَلَّمُ عَلَيْهِ يَقُولُ: وَعَلَيْكَ ، وَرَحْمَةُ اللّٰهِ). (صحيح الأدب المفرد:788)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب سلام کیا جاتا تو میں نے انھیں وعلیک ورحمۃ اللہ سے جواب دیتے ہوئے سنا ہے۔''

ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ. قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَإِنِّي لَأَوَّلُ النَّاسِ حَيَّاهُ بِتَحِيَّةِ الْإِسْلَامِ ، فَقَالَ: قُلْتُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ. مَنْ أَنْتَ ؟». (صحيح مسلم:6361، صحيح الأدب المفرد:790)

''نبی کریم ﷺ تشریف لائے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، پس میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور سب سے پہلے میں نے اسلام والا سلام کیا، میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: وعلیک ورحمۃ اللہ، آپ کون ہیں؟۔''

معاویہ بن قرۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں مجھے میرے والد نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

(يَا بُنَيَّ! إِذَا مَرَّ بِكَ الرَّجُلُ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَلَا تَقُلْ: وَعَلَيْكَ كَأَنَّكَ تَخُصُّهُ بِذٰلِكَ وَحْدَهُ ، فَإِنَّهُ لَيْسَ وَحْدَهُ ، وَلٰكِنْ قُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ). (صحيح الأدب المفرد:791)

''اے میرے بیٹے! جب تیرے پاس سے کوئی شخص گزرتے ہوئے السلام علیکم کہے تو تم جواب میں وعلیک کہہ کر اُسی ایک کو خاص نہ کر: اس لیے کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ جواب میں السلام علیکم کہہ۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾۔

[النساء:4: 86]

''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو۔''

مذکورہ نصوص سے ثابت شدہ فوائد ومسائل

1......اگر مُسَلَّم علیہ (وہ شخص جسے سلام کیا جا رہا ہے) ایک ہے تو السلام علیك واحد کا لفظ بھی مشروع ہے، جبکہ جمع کا لفظ: السلام علیکم افضل ہے اور اگر مُسَلَّم علیہ کئی ہیں تو پھر جمع کا لفظ: السلام علیکم ہی متعین ہے۔

2......اسی طرح اگر سلام کہنے والا ایک ہے تو جواب و علیك السلام سے دینا بھی درست ہے، جبکہ جمع کا لفظ و علیکم السلام کہنا بہر حال افضل ہے۔

3......سلام کی ادائیگی کے لیے کم از کم الفاظ ایک شخص کے لیے السلام علیك اور ایک سے زائد کے لیے السلام علیکم ہیں، یعنی ان الفاظ کے کہنے سے اسلامی تحیہ ادا ہو جاتا ہے۔ اس سے کم الفاظ کے ساتھ اسلامی تحیہ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

4......جواب سلام کے کم از کم الفاظ ایک شخص کے لیے و علیك ہے اور زیادہ کے لیے و علیکم ہے۔

5......اس پر اتفاق ہے کہ سلام اور جواب سلام دونوں میں السلام علیکم اور

وعلیکم السلام کے ساتھ ورحمة اللہ وبرکاتہ کا اضافہ افضل اور باعث زیادتی اجر ہے۔

کیا سلام کا جواب انہی الفاظ کو لوٹا کر دینا درست ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾

[النساء:4: 86]

"اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو سلام کیا:

«فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوْا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَزَادُوْهُ: وَرَحْمَةُ اللّٰهِ» (صحیح بخاری:6227، صحیح مسلم:7162)

"پس آدم علیہ السلام نے کہا: السلام علیکم تو انھوں نے کہا: السلام علیکم ورحمة اللہ، تو انھوں نے ورحمة اللہ کا اضافہ کر دیا۔"

عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

(كُنْتُ رَدِيْفَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَيَمُرُّ عَلَى الْقَوْمِ فَيَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَيَقُوْلُوْنَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ. وَيَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَيَقُوْلُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: فَضَلَنَا النَّاسُ الْيَوْمَ بِزِيَادَةٍ كَثِيْرَةٍ).

(صحیح الأدب المفرد:757، 987)

”میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھا تھا، آپ کسی قوم پر سے گزرتے تو السلام علیکم کہتے، وہ لوگ جواب میں کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور آپ کہتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تو لوگ جواب میں کہتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج لوگ ہم پر (ثواب) میں کافی غالب آئے۔“

مذکورہ دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ سلام کا جواب سلام کے الفاظ کے ساتھ دینا درست ہے اور جواب میں ورحمۃ اللہ کا اور اس کے بعد وبرکاتہ کا اضافہ کر لینا چاہیے۔

الفاظِ سلام کی تنکیر وتعریف

(لفظ سلام ال کے ساتھ اور ال کے بغیر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا جَآءَكَ ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَٰتِنَا فَقُلْ سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾.

[الأنعام:6: 54]

”اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان کو سلام کہیے۔“

معاویہ بن قرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد قرہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

(يَابُنَيَّ! إِنْ كُنْتَ فِي مَجْلِسٍ تَرْجُو خَيْرَهُ فَعَجِلَتْ بِكَ حَاجَةٌ، فَقُلْ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّكَ تُشْرِكُهُمْ فِيمَا أَصَابُوا فِي ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ). (صحيح الأدب المفرد:771، صحيح موقوف قاله الألباني رحمه الله، وقال إسناده صحيح رجاله كلهم ثقات. اور اگرچہ یہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں

ہے اس لیے کہ رائے سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة: 183)

''اے میرے بیٹے! اگر تو ایسی مجلس میں ہے جس کی خیر کی تو امید رکھتا ہے اور تجھے جلدی جانے کی ضرورت پیش آئے تو تو کہہ دے: سلامٌ علیکم بیشک تو ان کا شریک ہوگا اس خیر میں جو ان کو اس مجلس میں ملے گی۔''

قرآن کریم کی متعدد آیات میں سلام کے دونوں صیغے السلام الف لام کے ساتھ سلامٌ بغیر الف لام کے آئے ہیں۔ اسی طرح احادیث میں اکثر و بیشتر مواضع میں لفظ سلام مُعرَّف ہی آیا ہے اور مُنکَّر بہت کم۔ اسی کے پیش نظر علماء نے کہا ہے کہ لفظِ سلام کی تنکیر و تعریف دونوں درست ہیں، لیکن احادیث میں ال کے ساتھ استعمال اور حکم کو دیکھتے ہوئے سلام کو مُعرَّف، یعنی السلام بولنا افضل ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کا خلاصہ

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(وَأَقَلُّ السَّلَامِ أَنْ يَقُولَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ،فَإِنْ كَانَ الْمُسَلَّمُ عَلَيْهِ وَاحِدًا، فَأَقَلُّهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَقُولَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، لِيَتَنَاوَلَهُ وَمَلَكَيْهِ، وَأَكْمَلُ مِنْهُ أَنْ يَزِيْدَ: وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، وَأَيْضًا: وَبَرَكَاتُهُ ، وَلَوْ قَالَ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ أَجْزَأَهُ، وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الْمُبْتَدِئُ: عَلَيْكُمُ السَّلَامُ، فَإِنْ قَالَهُ: اسْتَحَقَّ الْجَوَابَ عَلَى الصَّحِيحِ الْمَشْهُورِ، وَقِيلَ: لَا يَسْتَحِقُّهُ ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ، فَإِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَوْتٰى، وَأَمَّا صِفَةُ الرَّدِّ فَالْأَفْضَلُ وَالْأَكْمَلُ أَنْ يَقُولَ: وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ. فَيَأْتِيْ بِالْوَاوِ، فَلَوْ حَذَفَهَا جَازَ، وَكَانَ تَارِكًا لِلْأَفْضَلِ، وَلَوْ اِقْتَصَرَ عَلٰى: وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ أَوْ عَلٰى: عَلَيْكُمُ السَّلَامُ ، أَجْزَأَهُ...... وَإِذَا قَالَ الْمُبْتَدِئُ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ أَوِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ الْمُجِيْبُ مِثْلَهُ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَوِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ كَانَ جَوَابًا وَأَجْزَأَهُ ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [الفرقان:63] قَالَ سَلَامٌ وَلٰكِنْ بِالْأَلِفِ أَفْضَلُ).

(تحفة الأحوذي: 502/7 نقلاً عن شرح مسلم للنووي:594،595)

''کم از کم سلام یہ ہے کہ کہا جائے: السلام علیکم اگر مسلَّم علیہ ایک ہوتو کم از کم سلام السلام علیک ہے لیکن افضل السلام علیکم کہنا ہی ہے۔ تا کہ مسلَّم علیہ اور اس کے دو فرشتوں کو بھی شامل ہو جائے۔ اس سے زیادہ کامل یہ ہے کہ ورحمۃ اللہ کا اضافہ کرے اور اسی طرح وبرکاتہ کا۔ اور اگر سلام علیکم کہا جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ اور ابتداءً علیکم السلام کہنا مکروہ ہے، لیکن اگر کہے تو کہنے والا بنا برقول صحیح مشہور مستحق جواب ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مستحق نہیں ہے۔ اور تحقیق صحیح یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علیک السلام نہ کہو یہ مُردوں کا سلام ہے۔ جواب سلام کا افضل واکمل طریقہ یہ ہے کہ کہا جائے: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب میں ''واؤ'' لائے اور اگر اسے حذف کرے تو جائز ہے اور افضل طریقے کا تارک ہوگا۔ اور وعلیکم السلام یا علیکم السلام پر اکتفا کرے تو کافی ہے۔ اگر سلام کہنے والے نے سلامٌ علیکم یا السلام علیکم کہا اور جواب دینے والے نے اسی کی مثل سلامٌ علیکم یا السلام علیکم کہا تو یہ جواب ہے

اور کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (الفرقان: 63)
اللہ نے "سلامٌ" کہا لیکن الف لام کے ساتھ افضل ہے۔"

سلام اور جوابِ سلام میں و برکاتہ کے بعد و مغفرتہ وغیرہ کا اضافہ خلافِ سنت اور ناجائز ہے

1...... عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهَا: يَا عَائِشَةُ! هٰذَا جِبْرَئِيْلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ. فَقُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ، فَذَهَبَتْ تَزِيْدُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِلٰى هٰذَا انْتَهَى السَّلَامُ ، فَقَالَ: ﴿رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾».

(صحیح بخاری:3045 اور صحیح مسلم: 2447 میں یہ روایت مختصراً آئی ہے)

"رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام ہے تجھے سلام کہتا ہے، میں نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ (اس پر سلامتی اور اللہ کی رحمت اور برکات ہوں) عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر مزید اضافہ کرنے لگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سلام کی حد (انتہاء) یہاں تک ہے، پھر آپ ﷺ نے پڑھا: ﴿اللہ کی رحمت اور برکات تم پر ہوں اے اہل بیت!﴾۔"

اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں (التقریب) اور بخاری کے رجال ہیں۔ امام طبرانی رحمہ اللہ نے اسے اپنی المعجم الاوسط: 786 میں روایت کیا ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد: 8/28 میں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

قُلْتُ هُوَ فِي الصَّحِيْحِ بِاخْتِصَارٍ.

(رواه الطبراني فی الأوسط ورجاله رجال الصحيح)

''میں کہتا ہوں یہ صحیح میں مختصر ہے۔''

اور اسے طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ اور محقق مجمع البحرین نے اس کے بارے میں کہا کہ (إسناده صحيح: رقم الحديث 16) اس کی سند صحیح ہے۔ لیکن راوی ابو العلاء المسیب بن رافع الاسدی کا سماع عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں، لہٰذا اس میں انقطاع ہے۔ لیکن عمر، ابن عباس، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایات سے، جن کا ذکر آرہا ہے اس کی تائید ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ مسئلہ بہر حال ثابت ہے۔

2 ...... عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَآءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ، فَرَدَّ عَلَيْهِ ، ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «عَشْرٌ» ثُمَّ جَآءَ آخَرُ ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ. فَرَدَّ عَلَيْهِ ، فَجَلَسَ. فَقَالَ: «عِشْرُوْنَ» ثُمَّ جَآءَ آخَرُ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ. فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ. فَقَالَ: «ثَلَاثُوْنَ». (**صحيح**: سنن أبي داود: 5195)

''ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: السلام علیکم، آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ شخص بیٹھ گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''(اس کے لیے) دس نیکیاں ہیں،'' پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اس کے لیے) بیس نیکیاں ہیں،'' پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ، آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پس وہ بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "(اس کے لیے) تیس نیکیاں ہیں۔"

3...... اسی طرح کی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔(صحیح الأدب المفرد: 986/757)

4...... امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں جید سند کے ساتھ محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں.

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِّنَ الْيَمَنِ ،فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ۔ ثُمَّ زَادَ شَيْئًا مَعَ ذٰلِكَ ۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ۔ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهُ۔ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا الْيَمَانِيُّ الَّذِيْ يَغْشَاكَ ، فَعَرَّفُوْهُ إِيَّاهُ، قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ السَّلَامَ انْتَهٰى إِلَى الْبَرَكَةِ۔(موطا للامام مالك: 357/6)

"میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس یمن سے ایک بندہ آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر اس کے ساتھ اس نے کچھ اور اضافہ کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔ جو ان دنوں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ وہ یمنی باشندہ ہے جو آپ کے پاس آتا رہتا ہے، چنانچہ لوگوں نے آپ کو اس کی پہچان کرادی، محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سلام کی انتہاء برکت تک ہے۔"

اسی روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں بھی روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ: بَيْنَا أَنَا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعِنْدَهُ

ابْنُهُ فَجَآءَهُ سَآئِلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ. فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ وَرِضْوَانُهُ، وَعَدَّدَ مِنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا هٰذَا السَّلَامُ؟ وَ غَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ. فَقَالَ لَهُ ابْنُهُ عَلِيٌّ: يَا أَبَتَاهُ: إِنَّهُ سَآئِلٌ مِّنَ السُّؤَّالِ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ حَدَّ السَّلَامَ حَدًّا، وَيَنْهٰى عَمَّا وَرَآءَ ذٰلِكَ. ثُمَّ قَرَأَ: ﴿رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهُ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ ثُمَّ انْتَهٰى. (شعب الإيمان للبيهقي: 456/6)

’’محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کا بیٹا بھی تھا، تو ایک سائل آیا اور آپ کو سلام کیا اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ ورضوانہ اور اس کو اس سے شمار کیا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کیسا سلام ہے؟ اور غصے ہو گئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر آپ کے بیٹے علی نے آپ سے کہا: ابا جان! یہ شخص مسئلہ پوچھنے والا ہے آپ نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے سلام کی ایک حد مقرر کر دی ہے اور اس سے زائد سے منع فرمایا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکات تم پر ہیں اے اہل بیت، بے شک اللہ تعریف کیا ہوا، بزرگی والا ہے﴾۔[هود: 37] پھر آپ نے بس کیا۔‘‘

5......اسی طرح کی روایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی آئی ہے۔

زہرہ بن معبد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِنْتَهَى السَّلَامُ إِلٰى وَبَرَكَاتُهُ. سلام کی انتہا وبرکاتہ پر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (فتح الباری: 6/11 : 8878)

6......امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں روایت ذکر کی ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ: سَلَامٌ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ فَانْتَهَرَهُ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ: حَسْبُكَ إِذَا انْتَهَيْتَ إِلٰى وَبَرَكَاتُهُ إِلٰى مَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ، وَقَدْ.

(شعب الإيمان للبيهقي: 456/6: 8880)

''ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سلام کیا اور کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے ڈانٹا اور فرمایا: تیرے لیے کافی ہے کہ جب تو وبرکاتہ تک پہنچے، جو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد سورۂ ھود کی آیت: 74 ﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اسی طرح کی حدیث مصنف عبدالرزاق: 390/10 میں اور دوسری حدیث موطأ: 359/2 میں بھی آئی ہے۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ سلام اور جواب سلام کی آخری حد اور انتھاء وبرکاتہ ہے اور اس پر اضافہ کرنا خلاف سنت ہے اور مشروع نہیں ہے۔

مذکورہ دلائل کے علاوہ اس مسئلہ کی دیگر مؤیدات اور شواہد بھی ہیں۔ تشہد میں سلام کے الفاظ بھی وبرکاتہ پر ختم ہوتے ہیں اور صحابہ کے ہاں یہی معروف تھا۔

ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أُمِرْنَا أَنْ نُصَلِّيَ عَلَيْكَ وَنُسَلِّمَ ، أَمَّا السَّلَامُ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ ...... إلخ . (**صحيح**: سنن نسائی: 1286)

''نبی ﷺ سے کہا گیا کہ ہمیں آپ پر درود و سلام کہنے کا حکم دیا گیا ہے، سلام

تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ آپ پر درود کس طرح پڑھیں ......الخ۔"
اور وہ معلوم و معروف سلام و برکاتہ پر ہی ختم ہوتا ہے۔
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام کے تشہدات میں اس سلام کا اختتام وبرکاتہ پر ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی:872)

اس کے علاوہ نماز سے نکلنے کے سلام کے عام الفاظ جو احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہیں۔ وہ ورحمۃ اللہ تک ہیں جبکہ بعض صحیح احادیث میں وبرکاتہ بھی ثابت ہے، یعنی سلام نماز کی انتہا بھی وبرکاتہ تک ہی ثابت ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

علقمہ بن وائل رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ. (سنن أبي داود:150/1، صحيح ابن خزيمه:359/1)

"میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ دائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ سے سلام پھیرتے تھے۔"

جبکہ ابن خزیمہ میں دونوں طرف انہی الفاظ کے ساتھ سلام کہنا ثابت ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ:260،259/1)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں زہرہ بن معبد کی روایت ذکر کی ہے:

عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ. فَقَالَ عُرْوَةُ: مَا تَرَكَ لَنَا فَضْلًا إِنَّ السَّلَامَ انْتَهٰى إِلٰى بَرَكَاتُهُ.

(شعب الإيمان للبيهقي:510/6: 9096)

"عروہ بن زبیر کو ایک آدمی نے سلام کیا اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تو عروہ نے کہا اس نے ہمارے لیے کوئی فضیلت نہیں چھوڑی ۔ بے شک سلام کی انتہاء برکاتہ تک ہے۔"

جملہ بالا دلائل سے سلام اور جوابِ سلام میں و برکاتہ کے بعد زیادت کا ممنوع ہونا ثابت ہوا اور یہی نبی ﷺ کا طریقہ اور سیرت ہے۔

جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَكَانَ هَدْيُهُ ﷺ انْتِهَآءَ السَّلَامِ إِلٰى وَبَرَكَاتُهُ. (زاد المعاد: 2/417)

اور جن مرفوع احادیث میں وبرکاتہ پر زیادت وارد ہے تو وہ احادیث ثابت نہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ وبرکاتہ پر اضافہ چند احادیث میں آیا ہے:

1...... پہلی حدیث سہل بن معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جسے ابوداود رحمہ اللہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد ذکر کیا ہے:

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سُوَيْدٍ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ ، قَالَ: أَظُنُّ أَنِّي سَمِعْتُ نَافِعَ بْنَ يَزِيدَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَرْحُومٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، بِمَعْنَاهُ ، زَادَ: ثُمَّ أَتٰى آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ، فَقَالَ: أَرْبَعُونَ قَالَ: هٰكَذَا تَكُونُ الْفَضَآئِلُ». (سنن أبي داود: 5196)

"ہمیں اسحاق بن سوید الرملی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ میں نے نافع بن یزید کو سنا، وہ کہتے ہیں مجھے ابومرحوم نے خبر دی سہل بن معاذ بن انس سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ سے (عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کے) معنی کے ساتھ اور

یہ اضافہ کیا: پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے لیے) چالیس نیکیاں ہیں" اور فرمایا: "فضائل اس طرح حاصل ہوتے ہیں۔"

یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ابو مرحوم راوی ہے جس کا نام عبدالرحیم بن میمون ہے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم کہتے ہیں: يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ وَلَا يُحْتَجُّ بِهِ. اس کی حدیث لکھی جائے گی اور اس کے ساتھ دلیل نہیں پکڑی جائے گی۔ (میزان الإعتدال للذھبی: 5037)

دکتور بشار عواد معروف نے کہا:

ضَعِيْفٌ يُعْتَبَرُ بِهِ. (تحریر تقریب التھذیب: 2/359)

دوسرا راوی سہل بن معاذ ہے۔ اس کو بھی یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اگر چہ ابن حبان نے اُسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (میزان الإعتدال للذھبی: 3592)

دکتور بشار عواد نے فرمایا: ضَعِيْفٌ . (تحریر تقریب التھذیب: 2/89)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ ضَعِيْفُ الْإِسْنَادِ ہے۔

(**ضعیف**: سنن أبي داود: 1112)

علامہ ابن مفلح نے کہا: ضعیف حدیث ہے اور مشہور امر کے خلاف ہے۔ (الآداب الشرعیۃ: 2/382)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں عبدالرحیم بن میمون کو صَدوق اور سہل بن معاذ کو لا بأس بہ کہنے کے باوجود اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ (فتح الباری: 11/8)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

(وَلَا يَثْبُتُ هٰذَا الْحَدِيْثُ؛ فَإِنَّ لَهُ ثَلَاثَ عِلَلٍ: إِحْدَاهَا: أَنَّهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ مَرْحُوْمٍ عَبْدِالرَّحِيْمِ بْنِ مَيْمُوْنٍ، وَلَا يُحْتَجُّ بِهِ. اَلثَّانِيَةُ: أَنَّ فِيْهِ أَيْضًا سَهْلَ بْنَ مُعَاذٍ وَهُوَ أَيْضًا كَذٰلِكَ. اَلثَّالِثَةُ: أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ أَبِيْ مَرْيَمَ أَحَدَ رُوَاتِهِ لَمْ يَجْزِمْ بِالرِّوَايَةِ بَلْ قَالَ: أَظُنُّ أَنِّيْ سَمِعْتُ نَافِعَ بْنَ يَزِيْدَ). (زاد المعاد:2/418،417)

''یہ حدیث ثابت نہیں اس لیے کہ اس میں تین علتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ابومرحوم عبدالرحیم بن میمون کی روایت سے ہے اور اس کے ساتھ دلیل نہیں پکڑی جاتی ۔ دوسری علت یہ ہے کہ اس میں سہل بن معاذ ہے اور وہ بھی اسی طرح ہے۔ تیسری علت یہ ہے کہ حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی سعید بن ابی مریم نے روایت میں جزم نہیں کیا ہے بلکہ کہا: میرا گمان ہے کہ میں نے نافع بن یزید سے سنا۔''

بعض حضرات نے اس آخری علت کا یہ جواب دیا ہے کہ'' امام طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الکبیر:20/182 میں سعید بن ابی مریم سے اسے شک کے بغیر ہی ذکر کیا ہے۔''

لیکن المعجم الکبیر کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا اعتراض برقرار ہے کیونکہ المعجم الکبیر میں سعید بن ابی مریم نے نافع بن یزید سے جس حدیث کو شک وتردد کے بغیر روایت کیا ہے اس میں'' ومغفرتہ'' کے الفاظ نہیں ہیں لہٰذا وہ مفید مطلب نہیں۔ حدیث بمع سند اس طرح ہے:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ الْعَلَّافُ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيْدَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مَرْحُوْمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَجُلًا جَآءَ إِلٰى مَجْلِسٍ وَفِيْهَا النَّبِيُّ ﷺ

فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَقَالَ: «عَشْرُ حَسَنَاتٍ» ثُمَّ أَتٰى آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ فَقَالَ: «عِشْرُوْنَ» ثُمَّ أَتٰى آخَرُ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ «أَرْبَعُوْنَ» وَقَالَ: «هٰكَذَا يَكُوْنُ الْفَضْلُ».

(المعجم الكبير للطبراني:2/182، 390) .

''ایک آدمی ایک مجلس میں، جس میں نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما تھے، آیا اور کہا: السلام علیکم تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اس کے لیے دس نیکیاں ہیں۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیس نیکیاں ہیں۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس نیکیاں، اور فرمایا: اس طرح فضیلت حاصل ہوتی ہے۔''

اس حدیث میں ومغفرتہ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ دوسری صحیح احادیث کی طرح وبرکاتہ تک ہی سلام کے الفاظ ذکر ہیں، لہٰذا اس سے مذکورہ اعتراض کو دفع نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے مذکورہ اعتراض مزید مضبوط ہو جاتا ہے کہ جس روایت میں تردد وشک نہیں بلکہ جزم ہے اس میں سلام کے الفاظ وبرکاتہ تک ہیں اور جس میں شک وعدم جزم ہے اس میں ومغفرتہ کا اضافہ ہے جو کہ درست نہیں۔ پس اگر طبرانی کی روایت (جو کہ درحقیقت وہ بھی ضعیف ہے) کے راوی بقول بعض کے حسن درجے کے مان بھی لیے جائیں تو پھر طبرانی کی روایت کو ترجیح حاصل ہو گی اس لیے کہ اس کی روایت میں شک وتردد نہیں اور دوسری صحیح احادیث کے موافق ہے جبکہ ابوداود کی روایت میں شک وتردد ہے اور صحیح احادیث کے مخالف ہے اور طبرانی کی روایت میں دوسری صحیح

روایات کی طرح ثَلٰثُوْنَ کے بجائے أَرْبَعُوْنَ ہے تو یہ روایت اولاً تو ضعیف ہے اور اگر بالفرض حسن ہے تو پھر یہ زیادتی شاذ ہے اور یا یہ کہ جو تطبیق یا ترجیح ایمان کے شعبوں کے متعلق بضع وسبعون اور بضع وستون اور اسی طرح باجماعت نماز کے بارے میں خمس وعشرون اور سبع وعشرون کے اندر دی جاتی ہے وہ یہاں بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابوداود کی مذکورہ روایت ضعیف ہے اور مغفرتہ کا اضافہ درست نہیں ہے ۔ یاد رہے کہ اس حدیث کو زاد المعاد کے محقق شیخ شعیب الارنوؤط اور عبدالقادر الارنوؤط نے بھی ضعیف کہا ہے۔(ہامش زاد المعاد: 2/417)

2......ایک اور حدیث جو اس کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے وہ انس رضی اللہ عنہ کی ہے:

كَانَ رَجُلٌ يَمُرُّ بِالنَّبِيِّ ﷺ يَرْعِي دَوَآبَّ أَصْحَابِهِ فَيَقُوْلُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، فَيَقُوْلُ النَّبِيُّ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، وَمَغْفِرَتُهُ ، وَرِضْوَانُهُ...... الحديث.

(عمل اليوم والليلة لابن السني : 234)

''ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا کرتا تھا۔ جو اپنے مالکوں کے لیے چوپائے چراتا تھا۔ وہ کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ! تو نبی ﷺ جواب میں کہتے: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ ورضوانہ......''

یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں بقیہ بن الولید ہے جس کے بارے میں حافظ نے تقریب میں کہا ہے: صَدُوْقٌ كَثِيْرُ التَّدْلِيْسِ عَنِ الضُّعَفَاءِ . صدوق ہے ضعفاء سے تدلیس زیادہ کرتا ہے۔ دوسرا راوی یوسف بن ابی کثیر ہے۔ وہ مجہول ہے جیسا کہ تقریب میں ہے اور اس کا شیخ نوح بن ذکوان وہ بھی ضعیف ہے۔ اور

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: "منكر الحديث جدًا" ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا: هُوَ أَضْعَفُ مِنَ الْحَدِيْثِ السَّابِقِ . یہ پہلی حدیث سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔(زاد المعاد: 2/418)

امام نووی رحمہ اللہ نے الاذکار میں فرمایا: إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ . اس کی سند ضعیف ہے۔(الأذکار للنووی: 209)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: إِسْنَادُهُ وَاهٍ . واہی سند ہے۔(فتح الباری:11/8)

لہٰذا اس سے مغفرتہ یا رضوانہ کا اضافہ سلام میں ثابت نہیں ہو سکتا۔

3......ایک اور حدیث میں جو اس بارے میں پیش کی جاتی ہے اور بعض حضرات نے اپنے موقف کے اثبات میں پیش کردہ حدیث کے لیے بطور قوی شاہد کے ذکر کیا ہے وہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں روایت کیا ہے.

قَالَ مُحَمَّدٌ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُخْتَارِ، عَنْ شُعْبَةَ عَنْ هَارُوْنَ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ ثَمَامَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: كُنَّا إِذَا سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا قُلْنَا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ. (التاریخ الکبیر:1/330)

"زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ ہمیں سلام کہتے تو ہم جواب میں کہتے: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔"

یہ انتہائی ضعیف سند ہے اور اس کی علت امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ہیں جو کہ ابن حمید ہیں، ابوزرعہ کہتے ہیں: تَرَكَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ . محمد بن اسماعیل نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کذاب ہے اور ایک دفعہ کہا: ثقہ نہیں۔ ابن خراش نے کہا: اللہ کی قسم! یہ جھوٹ بولتا تھا۔ (تهذيب التهذيب: 127/9)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: حَافِظٌ ضَعِيفٌ.

امام ابن معین رحمہ اللہ اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ (التقريب)

اور اسی حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان کے اندر روایت کیا ہے اور انھوں نے تصریح کی ہے کہ سند میں محمد راوی وہ ابن حمید ہے۔

(شعب الإيمان للبيهقي: 45/6: 8881)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیہقی کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

فائدہ:

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تصحیح کے بارے میں سلسلہ صحیحہ جلد نمبر 3 کے مقدمہ میں ایک طویل کلام کیا ہے اس بنا پر کہ سند میں ''محمد'' راوی ابن سعید الانصاری الاصبہانی ہے، لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ کے ہاں اس کے لیے کوئی یقینی بنیاد نہیں بلکہ انھوں نے بعض باتوں کو قرائن خیال کر کے ترجیح دی ہے۔ لیکن ثابت یہی ہے کہ محمد وہ ابن حمید ہی ہے جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ دونوں کی حدیث کا مخرج ایک ہی ہے۔ دونوں نے محمد سے روایت کیا اور بخاری رحمہ اللہ نے مہمل چھوڑا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا:

مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ هَارُوْنَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ.

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی سند ایک جیسی ہے حتی کہ صیغ التحمل بھی مختلف نہیں ہوئے ہیں۔ جبکہ تہذیب الکمال اور التہذیب کے اندر ابراہیم بن المختار کے

ترجمہ میں لکھا ہے:

''ابن عدی نے کہا: مَا أَقَلَّ مَنْ يَرْوِي عَنْهُ غَيْرُ ابْنِ حُمَيْدٍ. ابن حمید کے سوا بہت ہی کم لوگ اس سے روایت کرتے ہیں۔ یعنی محمد بن حمید ہی اس سے دوسروں کی نسبت زیادہ روایت کرتا ہے۔ یحییٰ بن معین نے ابراہیم بن المختار کے بارے میں کہا: يُتَّقَى حَدِيثُهُ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ حُمَيْدٍ عَنْهُ. (اس کی ان احادیث سے بچا جائے جو اس نے ابن حمید سے روایت کی ہوں)۔'' (تهذيب الكمال:237، تهذيب التهذيب: 288)

حافظ رحمہ اللہ نے اسے صَدُوقٌ ضَعِيفُ الْحِفْظِ کہا ہے۔ (تقريب التهذيب: 247)

درج بالا تفصیل سے یہ باتیں سمجھ میں آتی ہیں کہ ابراہیم بن المختار سے اکثر محمد بن حمید ہی روایت کرتا ہے۔ محمد بن سعید الاصبہانی یا دوسرے رواۃ بہت کم۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے راوی کو مہمل چھوڑا ہے یعنی باپ یا نسبت کا ذکر نہیں کیا جبکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی حدیث میں اور اسی سند میں باپ کا ذکر کیا ہے بلکہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الکبیر کے اندر اسی حدیث کو ذکر کیا ہے اور یہی سند ہے اور زید بن ارقم راوی ہیں۔ اس میں بھی محمد بن حمید الرازی کی تصریح ہے۔ سند اس طرح ہے:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَنْدَةَ الْأَصْبَهَانِيُّ وَجَعْفَرُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ سِنَانٍ الْوَاسِطِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هَارُونَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْنَا مِنَ الصَّلٰوةِ قُلْنَا: وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ.

(المعجم الكبير للطبراني: 180/5 : 5015)

وہی سند ہے اور محمد بن حمید الرازی کی تصریح ہے اس کے علاوہ اس میں من الصلاۃ کا اضافہ ہے جبکہ وہ ومغفرتہ کے الفاظ نہیں بلکہ سلام کی انتہا وبرکاتہ پر ہے۔

اس سے مذکورہ روایت کے اندر اضطراب واختلاف کا بھی پتہ چلتا ہے۔

لہٰذا جو ابہام امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں ''محمد'' راوی کے بارے میں موجود تھا وہ ان دلائل سے رفع ہو گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ . اور ثابت ہو گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں ''محمد'' ابن حمید ہی ہے جو کہ ضعیف ہے بلکہ اسے کذاب اور جھوٹا کہا گیا ہے تو ایسے راوی کی حدیث کس طرح ''قوی شاہد'' بن سکتی ہے؟! یہ تو سرے سے شاہد ہی نہیں بن سکتی۔

فائدہ:

شیخ البانی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ ابتداء سلام میں ومغفرتہ کا اضافہ جائز نہیں تاہم جواب سلام میں اس اضافے کے قائل ہیں۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة:1449)

یعنی وہ ابتداء سلام اور جواب سلام میں فرق کرتے ہیں تو اس لحاظ سے اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تب بھی ابتداء سلام میں ومغفرتہ کے اضافے کے لیے شاہد نہیں بن سکتی تھی۔

حاصل کلام یہ کہ سلام وجواب سلام میں ومغفرتہ وغیرہ کے اضافے کے جواز کے بارے میں یہ چند دلائل ذکر کیے جاتے ہیں جن کا حال ظاہر ہوا کہ ان میں سے ایک روایت بھی قابل حجت اور صحیح نہیں جبکہ دوسری طرف سلام اور جواب سلام کا ''وبرکاتہ'' پر انتہاء اور اس پر اضافے کے عدم جواز کے بارے میں صحیح روایات سامنے آ گئیں، لہٰذا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ سلام کی ابتداء اور جواب دونوں صورتوں میں آخری حد وبرکاتہ ہے اور اس پر اضافہ نہ سنت سے ثابت اور نہ ہی مشروع ہے۔

سلام میں الفاظ منصوصہ کی پیروی ضروری ہے

1...... جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ، فَقُلْتُ: عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: «لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ ، فَإِنَّ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَوْتٰى. قُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ».

(سنن أبي داود:5209، جامع ترمذي:2877، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1403)

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: عليك السلام یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: عليك السلام مت کہو، اس لیے کہ عليك السلام مُردوں کا سلام ہے، تم السلام عليك کہو۔''

اسے مُردوں کا سلام زمانۂ جاہلیت کے اعتبار سے فرمایا ہے ، ورنہ اسلام میں تو زندہ کے لیے السلام علیکم ہی ہے، جب کہ قبرستان میں مُردوں کے لیے دعا کرتے وقت بھی یہی الفاظ وارد ہیں۔

السلام علیک اور علیک السلام میں معنی کے لحاظ سے بنیادی فرق نہیں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ السلام علیک نبی کریم ﷺ کے تعلیم کردہ الفاظ ہیں جب کہ علیک السلام نہیں۔ بلکہ یہ جاہلیت کے لوگ مردوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ بنابریں نبی کریم ﷺ نے آنے والے کو اس سے روکا اور اصل نبوی الفاظ کی تعلیم دی۔

2...... براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب تم اپنی خواب گاہ میں آؤ تو اس طرح وضو کرو جس طرح نماز کے لیے کیا جاتا ہے، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاؤ اور یہ دعا پڑھو:

«اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ. اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ ، فَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ ، فَقُلْتُ أَسْتَذْكِرُهُنَّ: وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، قَالَ: لَا: وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ». (صحیح بخاری:244،5952)

''اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیرے سپرد کر دیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا اور اپنی پشت تیری طرف جھکائی (یہ سب کچھ) رغبت ، شوق سے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے کیا، تیرے سوا کوئی نہ پناہ گاہ ہے اور نہ مقام نجات۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جسے تو نے نازل فرمایا اور تیرے اس نبی پر بھی جسے تو نے (ہماری طرف) بھیجا۔ اگر تم اسی رات فوت ہوئے تو مسلمان ہوتے ہوئے فوت ہو گے اور ان کو اپنے آخری کلمات بناؤ۔ میں نے کہا: میں تو وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ یاد کرتا ہوں (بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے یہ کلام نبی ﷺ کے سامنے دہرائے جب میں نے وَبِرَسُولِكَ پڑھا) تو آپ نے فرمایا: نہیں، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ پڑھو۔''

اس سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الفاظ شرعیہ میں اپنی طرف سے اضافہ اور ردو بدل کرنا جائز نہیں بلکہ اس میں نص ہی کی اتباع ضروری ہے۔ رسول اور نبی میں عام علماء کے نزدیک ترادف ہے۔ یا بعض کے نزدیک رسول خاص ہے یعنی معنی میں نبی سے اعلیٰ ہے۔ لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ نے اس صحابی کو اس طرح پڑھنے کی اجازت نہ دی۔

3...... نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں چھینک ماری۔ اس نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَأَنَا أَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَلَيْسَ هٰكَذَا، عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَّقُوْلَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ.

(**حسن**: جامع ترمذي: 2738 قال الشيخ الألباني: وإسناده جيد)

"ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میں بھی الحمد للہ والسلام علٰی رسول اللّٰہ کہہ سکتا ہوں لیکن طریقہ یہ نہیں ہے (کہ چھینک آنے کے وقت الحمد للہ کے ساتھ سلام کو ملایا جائے بلکہ) ہمیں رسول اللہ ﷺ نے س موقع پر یہ تعلیم دی ہے کہ ہم کہیں: الحمد للہِ علٰی کل حال . (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے حمد وثنا ہے۔)"

ان نصوص سے یہ بات نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ الفاظ شرعیہ کی اتباع ضروری ہے اور اس کے اندر کمی بیشی جائز نہیں۔ لہٰذا سلام اور جواب سلام کے وہی الفاظ معتبر ہوں گے جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں اور قرآن وسنت سے ثابت شدہ الفاظ کے علاوہ کمی بیشی والے الفاظ خلاف سنت اور ناجائز ہوں گے۔ اور اگر سلام کے الفاظ بالکلیہ ترک کر دیے جائیں اور ان کی جگہ دوسرے الفاظ، عربی یا دیگر زبانوں کے اختیار کیے جائیں تو وہ اسلام کا سلام نہیں ہوگا بلکہ وہ جاہلی طریقہ ملاقات ہوگا جو شریعت کو منظور نہیں، لہٰذا الفاظِ سلام کے اندر اپنی طرف سے کمی بیشی جائز نہیں۔

اسلامی سلام وہی ہے جو نبی کریم ﷺ کا تعلیم کردہ ہے اور عربی میں ہے۔

بنابریں بجائے اس کے دوسرے الفاظ وکلمات خواہ وہ عربی زبان کے ہوں یا غیر

عربی زبان کے ان کا استعمال جائز نہیں۔ ہاں اگر اسلامی سلام کے بعد علاقائی کلماتِ ملاقات بولے جاتے ہیں تو اس میں کوئی شرعی محظور نہ ہونے کی صورت میں حرج نہیں۔

فائدہ:

علیک السلام کے الفاظ سے سلام کہنا جائز نہیں لیکن اگر کسی نے لاعلمی کی وجہ سے کہہ دیا تو یہ شخص مستحق جواب ہے جیسا کہ ترمذی کی مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے اس کا جواب دینا ثابت ہے۔ جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ علیک السلام کے الفاظ کہنے والے صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح طریقہ سلام بتلانے کے بعد مجھے جواب دیا: وعلیک ورحمۃ اللہ، وعلیک ورحمۃ اللہ، وعلیک ورحمۃ اللہ۔

(جامع ترمذي:2721، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1403)

سلام اور جوابِ سلام میں جہر اور سنانا ضروری ہے

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَالسُّنَّةُ فِي السَّلَامِ وَالْجَوَابِ الْجَهْرُ. فَإِذَا رَدَّ الْمُسَلَّمُ (عَلَيْهِ) أَسْمَعَ جَوَابَهُ لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يُسْمِعِ الْمُسَلِّمَ لَمْ يَكُنْ جَوَابًا لَهُ ؛ أَلَا تَرٰى أَنَّ الْمُسَلِّمَ إِذَا سَلَّمَ بِسَلَامٍ لَمْ يُسْمِعْهُ الْمُسَلَّمُ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ مِنْهُ سَلَامًا. فَكَذٰلِكَ إِذَا أَجَابَ بِجَوَابٍ لَمْ يُسْمَعْ مِنْهُ فَلَيْسَ بِجَوَابٍ. (الجامع لأحكام القرآن:5/303)

اور سنت (طریقہ) سلام اور جواب میں جہر ہے۔ مسلّم علیہ جواب سنائے اگر سلام کہنے والے کو نہ سنائے تو یہ اُس کی طرف سے جواب نہیں ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ اگر سلام کہنے والا سلام کہے اور مسلَّم

علیہ کو نہ سنائے تو یہ اس کی طرف سے سلام نہیں ہے تو اسی طرح وہ جوابِ سلام کہے اور مسلِّم کو نہ سنائے تو وہ بھی جواب نہیں ہے۔“

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَأَقَلُّ السَّلَامِ ابْتِدَآءً وَرَدًّا أَنْ يُسْمِعَ صَاحِبَهُ ، وَلَا يُجْزِئُهُ دُونَ ذٰلِكَ. (تحفة الأحوذي:502/7 نقلاً عن شرح مسلم للنووي:394/7،495)

”سلام اور جواب سلام میں کم از کم درجہ یہ ہے کہ متعلقہ شخص کو سنایا جائے اور اس سے کم سلام کافی نہیں۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لَا يَكْفِي السَّلَامُ سِرًّا ، وَأَقَلُّهُ أَنْ يُسْمَعَ فِي الْاِبْتِدَآءِ وَفِي الْجَوَابِ. (فتح الباری:19/11)

”سرّی (آہستہ) سلام کافی نہیں اور سلام کم از کم ایسا ہونا چاہیے کہ اس کی ابتدا اور جواب دونوں سنے جائیں۔“

دلائل:

1...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا وَ لَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ».

(صحيح مسلم:54)

”تم جنت میں نہیں جاسکو گے جب تک مومن نہ بنو اور مومن نہیں بنو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمھیں وہ چیز بتاؤں جب تم اس پر عمل کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ وہ یہ ہے کہ آپس میں

سلام عام کرو۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اَلْاِفْشَآءُ الْاِظْهَارُ وَالْمُرَادُ نَشْرُ السَّلَامِ بَيْنَ النَّاسِ ؛ لِيُحْيُوْا سُنَّتَهٗ.

(فتح الباری:20/11)

"افشاء اظہار کو کہتے ہیں اور مقصد اس سے لوگوں کے درمیان سلام کو پھیلانا ہے تاکہ لوگ آپ ﷺ کے طریقے کو زندہ کر دیں۔"

2...... ثابت بن عبید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

أَتَيْتُ مَجْلِسًا فِيهِ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ: إِذَا سَلَّمْتَ فَأَسْمِعْ فَإِنَّهَا تَحِيَّةٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةٌ طَيِّبَةٌ.

(صحیح الأدب المفرد:769)

"میں ایک مجلس میں آیا جس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا: جب تو سلام کرے تو اُسے سنا (یعنی بلند آواز سے سلام کر) بیشک یہ سلام ایک مبارک پاکیزہ تحفہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔"

3...... جہر کے بغیر سلام کا مقصد نہیں حاصل ہوتا، لہٰذا جہر ضروری ہے۔

4...... نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا کہ سلام اور جواب سلام میں جہر کرتے تھے۔

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ سلام اور جواب دونوں بلند آواز سے کہنا ضروری ہیں لیکن یہ بلند آواز (جہر) معتدل ہو نہ کہ جہر مفرط ہو کہ سننے والا اس سے خوف، دقت اور تنگی محسوس کرے اور نہ ہی اتنا پست اور آہستہ ہو کہ مسلَّم علیہ یا مُسلِّم اسے سن ہی نہ سکے۔

الفاظ بولے بغیر ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُسَلِّمُوا تَسْلِيمَ الْيَهُودِ فَإِنَّ تَسْلِيمَهُمْ بِالرُّؤُوسِ وَالْأَكُفِّ وَالْإِشَارَةِ». (عمل اليوم والليلة للنسائي:340، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1783)

''یہودیوں کی طرح سلام نہ کرو ان کا سلام سر، ہاتھ اور اشارے سے ہوتا ہے۔''

علماء نے اس جیسی احادیث سے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ سر، ہاتھ یا جسم کے دوسرے اعضاء سے اشارہ کر کے الفاظ بولے بغیر سلام کرنا یا جواب دینا جائز نہیں بلکہ یہودیوں اور متکبر لوگوا ں کا کام ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس نہی سے نمازی اور گونگا مستثنیٰ ہے یعنی نمازی دوران نماز سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دے گا (جس کی تفصیل آرہی ہے)

گونگے کا سلام اور جواب

گونگا شخص سلام اور جوابِ سلام اشارے سے دے گا کیونکہ اشارہ گونگے کے حق میں بہت سے احکام میں تلفظ کے قائم مقام ہے۔ (دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ:633/1، 46/7،503/3)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾. [البقرۃ:2: 286]

''اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف (مجبور) نہیں کرتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔''

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾۔[التغابن:64: 16]

''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنی تمھاری طاقت ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَمَرْتُكُم بِأَمْرٍ ، فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَمَا نَهَيْتُكُم عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ». (صحیح بخاری:7288، صحیح مسلم:1337)

''جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو اُسے کرو جتنا تم سے ہو سکے اور جس سے میں تمھیں منع کروں اس سے اجتناب کرو۔''

لہٰذا اگر گونگے نے اشارے سے سلام کیا تو وہ مستحق جواب ہے اور اگر اس نے اشارے سے جواب دیا تو اس سے فریضہ جواب ساقط ہو گیا۔ دیکھئے (الأذکار للنووی 212، الآداب الشرعیة 400/1)

اور اسی طرح جو شخص اتنا دور ہے کہ الفاظ سلام نہیں سن سکتا یا قریب ہے لیکن کسی رکاوٹ اور مانع کی وجہ سے الفاظ سلام نہیں سن سکتا لیکن ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں یا بہرا ہے تو اُسے اشارے سے سلام کیا جائے گا اور ساتھ الفاظِ سلام بھی بولے جائیں گے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَكَذَا مَنْ كَانَ بَعِيدًا بِحَيْثُ لَا يَسْمَعُ التَّسْلِيمَ يَجُوزُ السَّلَامُ عَلَيْهِ إِشَارَةً وَيَتَلَفَّظُ مَعَ ذٰلِكَ بِالسَّلَامِ. (فتح الباری:19/11)

''اسی طرح جو شخص اتنا دور ہے کہ سلام کے الفاظ نہیں سن سکتا تو اُسے اشارہ سے سلام کرنا جائز ہے اور سلام کرنے والا الفاظِ سلام کا تلفظ بھی کرے گا۔''

اور بہرے شخص کو سلام کرتے وقت لفظ اور اشارے دونوں کو جمع کیا جائے گا۔ اور

اسی پر علمائے اُمت کا اتفاق ہے۔ (الاذکار للنووی :212، رد المحتار :265/5، کشاف القناع:165/2) اور وہ سلام کا جواب الفاظ سے دے گا۔

سب سے پہلے سلام پھر کلام

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ». (صحيح مسلم:2162)

''جب تو اُس سے ملے تو اُسے سلام کہہ۔''

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ بَدَأَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيبُوهُ».

(عمل اليوم والليلة لابن السني: 210 وقال الشيخ الألباني حديث حسن: سلسلة الأحاديث الصحيحة: 816 بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے)

''جس نے سلام سے پہلے کلام شروع کیا تو اُسے جواب نہ دو۔''

ان حدیثوں میں تصریح ہے کہ ملاقات کی صورت میں بات شروع کرنے سے پہلے سلام ہو، اس کے بعد دیگر باتیں۔ اگر کسی نے اس سنت نبوی کی خلاف ورزی کی تو اُسے کوئی جواب نہ دو، یعنی اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے ساتھ بات چیت نہ کرو یہاں تک کہ وہ سلام کرے۔

سلام میں پہل کون کرے؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ

عَلَى الْكَثِيرِ». (صحیح بخاری:6232)

”سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو۔“

دوسری روایت میں ہے:

«يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ». (صحیح بخاری: 6234)

”چھوٹا بڑے کو سلام کہے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو۔“

فائدہ:

ان دو احادیثوں میں اس کا بیان ہے کہ سلام میں پہل کون کرے گا۔ سلام میں پہل اور ابتدا کی اس ترتیب میں جو اصل حکمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔ اہل علم نے اپنی اپنی دانست کے مطابق جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے

سوار پیدل چلنے والے کو اس لیے پہلے سلام کہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے سواری کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس کا حق ہے کہ تواضع اختیار کرے۔ اگر پیدل چلنے والے کو حکم ہوتا کہ سوار کو پہلے سلام کہے تو خطرہ تھا کہ سوار میں تکبر پیدا ہو جائے گا، بنا بریں جو شخص کسی گاڑی، سائیکل، گھوڑے اور اس کے مثل چیزوں پر سوار ہے تو پیدل چلنے والے بلکہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو پہلے سلام کہے، اس لیے کہ وَ الْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ کے الفاظ میں اَلْمَارُّ (گزرنے والا) پیدل چلنے والے اور کسی سواری پر سوار سب کو شامل ہے۔ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں بَابُ تَسْلِيمِ

الرَّاكِبِ عَلَى الْقَاعِدِ (سوار کا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کہنا) کا باب باندھا ہے اس میں فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے۔ 'يُسَلِّمُ الْفَارِسُ عَلَى الْقَاعِدِ' گھڑ سوار بیٹھے ہوئے کو سلام کہے۔

(صحيح الأدب المفرد: 765، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1350، 1159)

گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کہے

اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ بیٹھے ہوئے شخص کا ہر گزرنے والے کی طرف بار بار از خود متوجہ ہو کر سلام کہنا مشکل ہے، جبکہ گزرنے والے کو ایسی کوئی مشکل نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جس میں ہے:

«يُسَلِّمُ الْفَارِسُ عَلَى الْمَاشِيْ، وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَآئِمِ ...... الحديث».

(صحيح الأدب المفرد:765، سلسلة الأحاديث الصحيحة:1159، 1450، جامع ترمذي:2859)

''گھوڑ سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے اور پیدل چلنے والا کھڑے ہوئے کو......۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر قائم بمعنی مُسْتَقِرّ (قرار پکڑنے والا) لیا جائے تو پھر بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے، ٹیک لگائے ہوئے اور لیٹے ہوئے سب کو شامل ہے۔ (فتح الباری:16/11)

تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کہیں

تھوڑے لوگوں کو سلام میں پہل کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ زیادہ لوگوں کا تھوڑے لوگوں پر زیادہ حق ہے اور اس لیے بھی کہ زیادہ لوگ تھوڑے لوگوں کو پہلے سلام کہیں تو اس میں خود بینی اور کبر پیدا نہ ہو۔

چھوٹا بڑے کو سلام کہے

چھوٹے کو سلام میں پہل کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ بڑے کا حق چھوٹے پر زیادہ ہے کیونکہ چھوٹے کو حکم ہے کہ بڑے کی توقیر کرے اور اس کے ساتھ باادب رہے۔

جب دونوں ملنے والے برابر ہوں تو سلام میں پہل کرنے والا زیادہ بہتر اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے

جب دونوں ملنے والے برابر ہوں، یعنی دونوں پیدل چلنے والے ہیں یا دونوں سوار ہیں تو دونوں کو پہل کرنے کا حکم ہے أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (اپنے درمیان سلام عام کرو) اس میں سے جو پہل کرے گا وہ افضل ہے۔ جیسا کہ دو قطع تعلق کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ (ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے)۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«وَالْمَاشِيَانِ أَيُّهُمَا يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ فَهُوَ أَفْضَلُ».

(صحیح الأدب المفرد: 754، 983، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1146)

''دو پیدل چلنے والوں میں سے جو پہلے سلام کہے وہ افضل ہے۔''

یہ حدیث موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح صحیح ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دو آدمی ملتے ہیں تو پہلے کون سلام کہے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوْلَاهُمَا بِاللّٰهِ». (جامع ترمذي:2854، سلسلة الأحاديث الصحيحة:854)

''دونوں میں سے جو اللہ کے زیادہ قریب ہے۔''

وَفِي لَفْظٍ: «إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ».

(**صحیح**: سنن أبي داود: 5197۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا: اس کی سند جید ہے۔ الأذکار للنووی: 214۔ حافظ نے کہا: سند حسن ہے۔ الفتوحات: 327/5)

''لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ ہے جو لوگوں کو سلام میں پہل کرے۔''

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

مذکورہ آداب راستے کے متعلق ہیں اور اگر ان میں سے کوئی بھی بیٹھے ہوئے کے پاس آئیں تو اس صورت میں بہر حال آنے والا ہی پہلے سلام کہے گا۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ (الأذکار للنووی: 219)

اگر وہ شخص جسے پہلے سلام کہنے کا حکم ہے سلام نہیں کہتا تو دوسرے کو سلام کہہ دینا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیلانے کی بہت تاکید کی ہے۔

مجلس میں آنے والا اور مجلس سے جانے والا دونوں سلام کہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ فَإِنْ بَدَالَهُ أَنْ يَجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ إِذَا قَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ».

(**صحيح**: سنن أبي داود:5208، جامع ترمذي:2861، صحيح الجامع الصغير: 400)

''جب تم میں سے کوئی شخص مجلس میں پہنچے تو سلام کہے اگر اس کا ارادہ بیٹھنے کا ہے تو بیٹھ جائے، پھر جب اٹھے تو سلام کہے کیونکہ پہلے سلام کا حق دوسرے سے زیادہ نہیں ہے۔''

عام طور پر معاشرے میں سلام متروک ہے مجلس میں آنے والا سلام نہیں کہتا ویسے ہی بیٹھ جاتا ہے یا غیر اسلامی الفاظ بول کے۔ لیکن مجلس سے جاتے وقت سلام کہنا خواص کے نزدیک بھی متروک ہے۔ اپنے آپ کو بڑے پارسا، عالم اور نیک سمجھنے والے لوگ بھی جب مجلس سے اٹھتے ہیں تو فی أمان اللہ ، اﷲ حافظ اور خدا حافظ کے الفاظ کہہ کر رخصت ہوتے ہیں، حالانکہ یہ عمل نبی کریم ﷺ کے طریقے اور حکم کے مخالف ہے۔ حکم یہ ہے کہ مجلس سے جاتے وقت السلام علیکم کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مجلس میں سے کسی ایک کو خاص کر کے اسے سلام کہنا مکروہ ہے

الأدب المفرد میں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: بَابُ مَنْ كَرِهَ تَسْلِيمَ

الْخَاصَّةِ: ''کسی کو خاص کر کے سلام کہنے کو جس نے ناپسند کیا۔'' اس کے تحت انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ ایک آدمی نے آکر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مجمع میں سے متعین کر کے کہا عَلَيْكُمُ السَّلَامُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک پہنچایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيمُ الْخَاصَّةِ».

(الأدب المفرد: 1049، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2767)

''کہ قیامت کے قریب سلام میں لوگوں کی تخصیص کی جائے گی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں ایک بندے کو خاص کر کے سلام کہنا درست نہیں بلکہ سلام کو عام رکھا جائے۔

بار بار آنے جانے اور بار بار ملاقات ہو جانے کی صورت میں بھی سلام کہنا ضروری ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ سلام کو عام کیا جائے اور جب بھی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو اُسے سلام کیا جائے، خواہ یہ ملاقات کئی بار کیوں نہ ہو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث ''مسيء الصلاة'' (نماز بگاڑ کر پڑھنے والے) کے قصے میں بیان فرماتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» فَرَجَعَ، فَصَلّٰى ثُمَّ

جَآءَ فَسَلَّمَ ، فَقَالَ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ».

(صحيح بخاری:5897)

"ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، نبی کریم ﷺ مسجد کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے، اس نے نماز پڑھی، پھر آیا اور آپ کو سلام کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا: "لوٹ جا، پھر نماز پڑھ، اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی، چنانچہ وہ شخص واپس گیا اور نماز پڑھی، پھر آیا اور آپ کو سلام کیا، آپ نے وعلیک السلام کہہ کر سلام کا جواب دیا اور فرمایا: لوٹ جا، پھر نماز پڑھ، اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔"

اس حدیث میں تھوڑے سے وقفے اور فاصلے پر بار بار سلام کرنے کا اثبات ہے۔
اس مسئلے پر اس سے بھی زیادہ صریح نص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ، أَوْ جِدَارٌ، أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ».

(**صحيح**: سنن أبي داود: 5200، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 186)

"جب تم میں سے جو شخص اپنے بھائی سے ملے تو اُسے سلام کہے، پس اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے، اس کے بعد پھر اُسے ملے تو اُسے سلام کہے۔"

صحابہ کرام اور تابعین نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر کس طرح عمل کرتے تھے، انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَتَمَاشَوْنَ ، فَإِذَا اسْتَقْبَلَتْهُمْ شَجَرَةٌ

أَوْ أَكَمَةٌ فَتَفَرَّقُوا يَمِينًا وَشِمَالاً ثُمَّ الْتَقَوْا مِنْ وَرَآئِهَا، فَسَلَّمَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (صحیح: عمل الیوم واللیلة لابن السني: 235)

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باہم مل کر چلتے تھے، پھر جب ان کے سامنے کوئی درخت یا ٹیلہ آتا تو وہ دائیں بائیں جدا ہو جاتے تھے، پھر اس کی دوسری طرف ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کہتے تھے۔''

مصنف ابن ابی شیبہ کے باب کا عنوان ہے: الرَّجُلُ يُسَلِّمُ عَلَى الرَّجُلِ كُلَّمَا لَقِيَهُ 'ایک شخص دوسرے کو سلام کہے گا جب بھی اور جتنی بار بھی اس سے ملے۔'

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي زَكَرِيَّا فِي أَرْضِ الرُّوْمِ فَبَالَتْ دَآبَّتِي، فَقَامَتْ ، فَبَالَتْ، فَلَحِقْتُهُ ، فَقَالَ: أَلَا سَلَّمْتَ؟ فَقُلْتُ: إِنَّمَا فَارَقْتُكَ الْآنَ. قَالَ: وَإِنْ فَارَقْتَنِي الْآنَ ، كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَتَسَايَرُوْنَ فَتَفَرِّقُ بَيْنَهُمُ الشَّجَرَةُ فَيَلْتَقُوْنَ فَيُسَلِّمُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (مصنف ابن أبي شيبة: 137/6)

''میں ارض روم میں عبداللہ بن ابی زکریا رحمہ اللہ کے ساتھ جا رہا تھا، میری سواری پیشاب کے لیے رکی، پھر میں ان سے آملا، تو انھوں نے مجھ سے کہا: تم نے آکر سلام کیوں نہیں کیا؟ میں نے کہا: ابھی ہی تو میں آپ سے جدا ہوا تھا۔ آپ نے کہا: خواہ ابھی ہی کیوں جدا نہ ہوئے ہو (تجھے پھر بھی سلام کرنا چاہیے تھا) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام تو ایسے تھے کہ وہ باہم مل کر چل رہے ہوتے تھے، اگر راستے میں کوئی درخت آتا اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا تو دوسری طرف ملنے کے بعد پھر ایک دوسرے کو سلام کہتے تھے۔''

نبی کریم ﷺ کے عمل وتقریر اور قولی حدیث سے اور پھر صحابہ کرام اور تابعین کا اس پر عمل اور نہایت اہتمام کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت وواضح ہوگئی کہ بار بار ملنے اور آنے جانے کی صورت میں بھی سلام کہنا لازمی ہے اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے وہ خسارے اور نقصان کے راستے پر چل رہے ہیں۔

اور اس سے ان لوگوں کی بات بھی مردود ثابت ہوگئی جو اس صورت میں حرج اور مشقت کا بہانہ بنا کر نصوص شریعت پر عمل نہ کرنے کے لیے بہانے اور حیلے ڈھونڈتے ہیں۔

کسی کے ہاں آتے وقت نبی کریم ﷺ کے سلام کا طریقہ

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلاثًا حَتَّى تُفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلاثًا. (صحیح بخاری:95)

"نبی کریم ﷺ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اُسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ اُسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور جب کسی قوم کے پاس آکر سلام کہتے تو سلام بھی تین مرتبہ کہتے۔"

محدثین کہتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے جب لوگ بہت زیادہ ہوتے تو نبی ﷺ کا یہ طریقہ ہوتا جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ریاض الصالحین اور کتاب الأذکار میں بیان کیا ہے یا اس صورت میں جب یہ اندیشہ ہو کہ مُسلَّم علیہ نے سلام سنا نہیں۔

اور بعض یہ بتاتے ہیں کہ آپ کا تین بار سلام کہنا استئذان، اور اجازت مانگنے کے وقت ہے۔

اس کی تائید ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلِاسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ ، فَإِنْ أُذِنَ لَكَ وَإِلَّا فَارْجِعْ».

(صحيح بخاری: 6245، صحيح مسلم:2153 واللفظ له)

''اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے، پس اگر تجھے اجازت دے دی جائے (تو اندر چلا جا) ورنہ واپس لوٹ جا۔''

اور اس پر مزید روشنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کے اس اضافے سے پڑتی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ الأدب المفرد میں لائے ہیں کہ میرے ہمراہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یا ابومسعود رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا:

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يُرِيْدُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ حَتّٰى أَتَاهُ فَسَلَّمَ، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ ثُمَّ سَلَّمَ الثَّانِيَةَ ، ثُمَّ الثَّالِثَةَ ، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، فَقَالَ: قَضَيْنَا مَا عَلَيْنَا ثُمَّ رَجَعَ .

''ہم نبی ﷺ کے ساتھ نکلے، آپ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کا ارادہ رکھتے تھے آپ اس کے پاس آئے اور سلام کہا، تو اجازت نہیں ملی، پھر دوسری مرتبہ سلام کہا، پھر تیسری مرتبہ، آپ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم پر جو لازم تھا وہ ہم نے پورا کر دیا، پھر واپس ہوئے۔''

تو سعد رضی اللہ عنہ نکلا اور آپ کو پالیا، اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، یارسول اللہ! آپ نے جتنی مرتبہ سلام کیا میں سنتا رہا اور جواب دیتا رہا لیکن (اونچی آواز سے اس لیے نہیں دیا کہ) مجھے یہ پسند تھا کہ میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے آپ کا سلام کہنا (سلامتی کی دعا) زیادہ حاصل ہو۔ (الأدب المفرد:1073)

اپنے گھر میں آنے والا گھر والوں کو سلام کہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾ ۔ [النور: 24: 61]

"جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے نفسوں (گھر والوں) کو سلام کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے بابرکت نہایت پاکیزہ۔"

انس رضی اللہ عنہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمے والی حدیث میں بیان کرتے ہیں:

فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَانْطَلَقَ إِلَىٰ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَقَالَ: «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللهِ» فَقَالَتْ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ. (صحيح مسلم: 1428)

"پس نبی ﷺ نکلے اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے کمرے کی طرف گئے اسے سلام کیا اس نے وعلیک السلام ورحمۃ اللہ سے جواب دیا۔"

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ تمام بیویوں کے حجروں میں گئے اور ان کو سلام کیا اور انھوں نے سلام کا جواب دیا۔

ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللهِ. رَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللهِ».

(صحيح: سنن أبي داود: 2494، صحيح ابن حبان: 499، الأدب المفرد: 1094)

"تین اشخاص سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت وضمانت میں ہیں (ان

میں سے ایک) وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام کہہ کر داخل ہوتا ہے وہ اللہ کی ضمانت میں ہوتا ہے۔''

(استئذان) اجازت طلب کرنے کا بیان

اجازت طلب کرنے کا شرعی طریقہ ہے کہ اجازت طلب کرنے والا (مستأذن) گھر وغیرہ کے مکینوں کو سلام کرے، دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو جائے اور السلام علیکم کہے، چاہے تو دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد السلام علیکم کہے اگر اجازت ملے تو داخل ہو جائے ورنہ واپس چلا جائے۔

ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرٍ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي بَيْتٍ، فَقَالَ: أَأَلِجُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِخَادِمِهِ: «اُخْرُجْ إِلٰى هٰذَا فَعَلِّمْهُ الْاِسْتِئْذَانَ، فَقُلْ لَهُ: قُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، أَ أَدْخُلُ؟» فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ. (**صحيح**: سنن أبي داود:5177، سلسلة الأحاديث الصحيحة:818)

''ہمیں بنو عامر قبیلے کے ایک آدمی نے بتلایا کہ اس نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی جب کہ آپ گھر کے اندر موجود تھے، پس میں نے ان الفاظ میں اجازت مانگی: کیا میں اندر داخل ہو جاؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھلاؤ اور اس سے کہہ دو کہ ان الفاظ کے ساتھ اجازت مانگ: السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ پس اس آدمی نے سن کر کہا: السلام

علیکم کیا میں اندر آ جاؤں؟ پس نبی ﷺ نے اسے اجازت دے دی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔‘‘

کلدہ بن حنبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِرْجِعْ فَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ ؟».

(صحيح: سنن أبي داود:5176،جامع ترمذي: 2865)

’’میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور سلام کیے بغیر ہی اندر داخل ہو گیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: واپس لوٹ جا اور اس طرح کہہ، السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟۔‘‘

مصنف ابن ابی شیبہ (646/8) میں ابن بریدہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صحابی سے اندر آنے کی اجازت طلب کی، صحابی دروازے پر کھڑے تھے، اس آدمی نے تین مرتبہ کہا کیا میں اندر آ جاؤں؟ صحابی اُسے دیکھتے رہے اور اجازت نہ دی پھر اس آدمی نے کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ فَقَالَ ادْخُلْ ثُمَّ قَالَ: لَوْ قُمْتَ إِلَى اللَّيْلِ تَقُولُ: أَأَدْخُلُ ، مَا اَذِنْتُ لَكَ حَتّٰى تَبْدَأَ بِالسَّلَامِ.

’’السلام علیکم کہا، میں اندر آ جاؤں؟ صحابی نے فرمایا: ہاں اندر آ جاؤ، پھر اس سے کہا: اگر تو رات تک کھڑا رہتا اور کہتا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ تو میں تجھے اجازت نہ دیتا یہاں تک کہ تو پہلے سلام کہتا۔‘‘

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جو سلام کہنے سے پہلے اجازت طلب کرتا ہے، فرمایا:

لَا يُؤْذَنُ لَهُ حَتَّى يَبْدَأَ بِالسَّلَامِ.

''جب تک پہلے سلام نہ کہے اُسے اجازت نہیں دی جائے گی۔''

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَا، حَتَّى يَأْتِيَ بِالْمِفْتَاحِ، السَّلَامِ.

(الأدب المفرد:1066، 1067، وقال الشيخ الالباني رحمه الله: صحيح الإسناد)

''نہیں اسے آنے کی اجازت نہیں دی جائے گی یہاں تک کہ وہ چابی لائے یعنی سلام کہے۔''

عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَتَى بَابًا يُرِيْدُ أَنْ يَسْتَأْذِنَ لَمْ يَسْتَقْبِلْهُ جَاءَ يَمِيْنًا وَشِمَالًا، فَإِنْ أُذِنَ لَهُ وَإِلَّا انْصَرَفَ.

(الأدب المفرد:1078 وقال الألباني: حسن صحيح، سنن أبي داود:5186)

''نبی ﷺ جب کسی ایسے دروازے کے پاس آتے جہاں آپ اندر جانے کی اجازت طلب کرتے تو دروازے کے بالکل سامنے نہیں کھڑے ہوتے تھے، بلکہ دائیں بائیں کھڑے ہوتے، پھر اگر اندر آنے کی اجازت ملتی (تو آپ اندر تشریف لے جاتے) ورنہ واپس لوٹ جاتے۔''

جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَدَقَقْتُ الْبَابَ، فَقَالَ: «مَنْ ذَا؟» فَقُلْتُ أَنَا، فَقَالَ: «أَنَا أَنَا!! كَأَنَّهُ» كَرِهَهَا. (صحيح بخاری:6250، صحيح مسلم:2155)

''میں نبی ﷺ کے پاس آیا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو آپ نے پوچھا: کون ہے یہ؟، میں نے کہا: میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں

(کیا ہے؟) گویا آپ ﷺ نے اسے برا سمجھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اندر سے جب اجازت طلب کرنے والے کے بارے میں پوچھا جائے تو یہ نہ کہے کہ "میں" ہوں بلکہ اپنا نام (اور اگر کنیت سے مشہور ہے) کنیت بتلائے ، دروازہ کھٹکھٹانا اور اسی طرح گھنٹی بجا دینا بھی اجازت طلب کرنے کے مفہوم میں داخل ہیں، پھر جب صاحب خانہ دروازے پر آئے تو پہلے اسے سلام کیا جائے، پھر گفتگو کی جائے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ أَبْوَابَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ تُقْرَعُ بِالْأَظَافِيرِ.

(الأدب المفرد: 1080، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2092)

"نبی ﷺ کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے۔"

اجازت طلب کرتے وقت کتنی مرتبہ سلام کہہ سکتا ہے؟

اجازت طلب کرتے وقت مناسب وقفے کے ساتھ تین بار سلام کہے اگر اجازت ملے تو اندر جائے ورنہ لوٹ جائے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ».

(**صحيح**: سنن أبي داود: 5180)

"جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے، پھر اُسے اجازت نہ ملے تو وہ واپس لوٹ جائے۔"

ابوالعلانیہ البصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا،

میں نے سلام کیا، لیکن مجھے اجازت نہ ملی، پھر میں نے سلام کیا، پس اندر آنے کی اجازت نہیں ملی، پھر تیسری مرتبہ میں نے آواز کو بلند کر کے کہا: السلام علیکم اے اہل خانہ! لیکن مجھے پھر بھی اجازت نہیں ملی میں وہاں سے ہٹ کے ایک جگہ میں بیٹھ گیا۔ تو گھر سے ایک غلام نکل آیا اور اس نے کہا: اندر آ جاؤ، میں اندر گیا، تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مجھے سے فرمایا:

أَمَا إِنَّكَ لَوْ زِدْتَ لَمْ يُؤْذَنْ لَكَ۔ (**صحيح**: الأدب المفرد: 1077، مصنف عبدالرزاق: 10/381، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2951)

''اگر تو تین بار سے زیادہ سلام کہہ کر اجازت طلب کرتا تو تجھے اجازت نہ ملتی۔''

ٹیلیفون میں سلام میں پہل کون کرے؟

ٹیلیفون ملانے والا آنے والے کے حکم میں ہے تو جس طرح آنے والے کی ذمہ داری ہے کہ جب وہ کسی کے گھر یا مجلس میں جائے تو آغاز السلام علیکم سے کرے اسی طرح ٹیلیفون کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ گفتگو کا آغاز اور اختتام السلام علیکم سے کرے، یعنی بیل دینے کے بعد رابطہ ہونے پر سب سے پہلے السلام علیکم کہہ کر گفتگو کو شروع کرے۔ فون میں رابطہ ہو جانے کا علم فون کرنے والے کو ہو جاتا ہے تو جب اسے علم ہو جائے کہ رابطہ ہو گیا ہے تو السلام علیکم کہہ کر اپنا تعارف کر کے بات شروع کرے۔ ہمارے معاشرے میں یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ فون ملانے والا رابطہ ہونے پر اس وقت تک بات کو شروع نہیں کرتا جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ دوسری طرف فون اٹھانے والا کون ہے۔ حالانکہ یہ اسلامی آداب کے خلاف ہے۔ ہمارے دیندار حضرات میں یہ طریقہ چل پڑا ہے کہ فون وصول کرنے والا السلام علیکم کہتا ہے، حالانکہ سلام کہنا

اس کے ذمہ نہیں ہے۔ اس بارے میں مسنون طریقہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوا کہ آنے والا السلام علیکم کہہ کر اپنی آمد کی اطلاع دے اگر فون کرنے والے نے سلام کیا ہے تو وصول کرنے والا جواب سلام دے اور اگر اس نے سلام نہیں لیا تو وصول کرنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے ساتھ بات نہ کرے اور اگر فون کرنے والے کو رابطہ ہونے کا پتہ نہ چلا ہو تو وصول کرنے والا مَنْ هٰذَا یہ کون ہے؟ پوچھ سکتا ہے۔

اس کی دلیل:

جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بات واضح ہے کہ دروازہ کھٹکھٹائے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم نہیں کہا بلکہ مَنْ هٰذَا؟ سے سوال کیا، اور اگر فون کرنے والے کو رابطہ ہو جانے کا پتہ چل گیا ہے اس کے باوجود وہ السلام علیکم نہیں کہتا تو پھر اسے ربعی بن حراش کی حدیث کے مطابق طریقہ استئذان (اجازت طلب کرنے کا طریقہ) سکھایا جائے۔ اور دوبارہ فون کرنے کا کہا جائے فون وصول کرنے والے کے ذمہ سلام کہنا اس لیے بھی نہیں ہے کہ عام طور پر فون کرنے والے کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ کون ہے؟ مسلمان ہے کہ کافر وغیرہ۔

فائدہ:

فون وصول کرنے والے پر لازم نہیں کہ وہ سلام کرے تاہم اگر یہ سلام میں پہل کرے تو 'خَيْرُهُمَا الَّذِيْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ' کے تحت اس کی گنجائش ہے۔

خطیب کا جمعہ کے دن منبر پر چڑھنے کے بعد حاضرین کو سلام کہنا

بعض علماء یہ بتاتے ہیں کہ جمعہ کے دن خطیب کا منبر پر چڑھنے کے بعد حاضرین

کو سلام کہنا سنت ہے اس کی دلیل جابر کی روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ سَلَّمَ.

(سنن ابن ماجه: 1109، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2076)

''جب نبی ﷺ منبر پر چڑھ جاتے تو سلام کہتے۔''

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن بعض دیگر علماء اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، شیخ دکتور بشار عواد معروف ابن ماجہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ لِابْنِ لَهِيعَةَ.

''اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔''

شیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ ''الصحیحفة'' میں لکھتے ہیں:

إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْعَنَ وَلِلْحَدِيثِ شَوَاهِدُ ضَعِيفَةٌ عِنْدَ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَابْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَغَيْرِهِمْ.

''اس کی سند ضعیف ہے ابن لہیعہ نے عنعنہ کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق وابن ابی شیبہ وغیرہ میں اس کے ضعیف شواہد ہیں۔''

عبدالحق نے بھی ''الأحکام'' میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے شواہد مرسل ہونے کے علاوہ سنداً بھی ضعیف ہیں۔ عطاء کے مرسل میں ابن جریج کا عنعنہ ہے اور شعبی کے مرسل میں مجالد ضعیف راوی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کے اثر میں اسماعیل بن عیاش کا عنعنہ ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: 5281، 5282، مصنف ابن أبي شيبة: 9195)

لہٰذا مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور اس سے اس خصوصیت کے ساتھ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا تاہم مسئلہ احادیث صحیحہ کے عموم سے ثابت ہے، اس لیے کہ مجلس میں آتے وقت سلام کہنا ضروری ہے اور جب خطیب مسجد میں آتا ہے تو اس بنا پر اُسے چاہیے کہ

حاضرین کو سلام کہے اور حاضرین اس کا جواب دیں۔

اگر مذکورہ حدیث صحیح ہو جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے تو پھر مذکورہ خصوصیت کے ساتھ یعنی منبر پر چڑھنے کے بعد سلام کہنے کی مسنونیت ثابت ہوتی ہے۔ اور جو طریقہ عام خطباء کا ہے کہ منبر پر بیٹھنے اور اذان ہونے کے بعد جب خطبہ شروع کرتے ہیں اس وقت سلام کہتے ہیں وہ ہرگز اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور ہمارے علم کے مطابق نبی ﷺ سے یہ کہیں پر بھی ثابت نہیں کہ آپ نے خطبہ و تقریر سے متصل پہلے السلام علیکم کہا ہو۔

اور یہ طریقہ تو بہت ہی عجیب ہے کہ ایک شخص مجلس میں بیٹھا ہوا ہے۔ جب تقریر شروع کرتا ہے تو اٹھ کر السلام علیکم کہتا ہے۔ بات ختم کر کے السلام علیکم کہہ کر اس مجلس میں پھر بیٹھ جاتا ہے ہمیں اس طرز عمل پر کوئی دلیل معلوم نہیں۔

اس کے علاوہ وہ حدیث بھی ضعیف ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کہتے پھر منبر پر چڑھنے کے بعد پھر سلام کہتے۔

(ابن عدی:2/296، البیهقی:3/1205، سلسلة الأحادیث الضعیفة: 4194، زاد المعاد: 1/421)

خالی مکان میں داخل ہوتے وقت سلام کے الفاظ

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ الْبَيْتَ غَيْرَ الْمَسْكُوْنِ فَلْيَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ. (الأدب المفرد: 1055، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ فتح الباری: 11/17)

”جب غیر رہائشی مکان (گھر) میں داخل ہو تو کہے السلام علینا وعلی

عباد اللّٰہ الصالحین سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔“

خطوط میں سلام لکھنا

نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تھا کہ خطوط میں سلام لکھتے تھے، نبی کریم ﷺ کے والی بحرین کے نام ارسال کردہ خط میں یوں تحریر ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ إِلَى الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰى سَلَامٌ عَلَيْكَ». (زاد المعاد: 392/3)

”بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منذر بن ساوی کو، تجھ پر سلامتی ہو۔“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان کی طرف خط لکھا تو اس میں بھی انھوں نے سلام علیک تحریر کیا۔ (الأدب المفرد: 1119، شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: صحیح الإسناد)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس میں تحریر تھا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ. (**حسن الإسناد**: الأدب المفرد: 1122)

اسی طرح دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس خط کے آخر میں بھی سلام تحریر تھا۔

خط کے سلام کا جواب تحریراً دینا مشروع ہے۔ ابو عثمان النہدی بیان کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے ایک راہب کو خط میں سلام لکھا، کسی نے ان سے کہا: آپ کافر کو سلام لکھتے ہیں؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّهُ كَتَبَ إِلَيَّ فَسَلَّمَ عَلَيَّ، فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ. (الأدب المفرد: 1101)

”اس نے میری طرف ارسال کردہ خط میں سلام لکھا ہے، اس لیے میں نے اس کا جواب دیا۔“

سلام بھیجنا اور غائبانہ سلام کا جواب دینا

کسی کو سلام بھیجنا اور غائبانہ سلام کا جواب دینا یہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کا طریقہ رہا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسلم قبیلے کے ایک نوجوان نے آ کر کہا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنِّيْ أُرِيْدُ الْجِهَادَ، وَلَيْسَ لِيْ مَالٌ أَتَجَهَّزُ بِهِ، قَالَ: «اِذْهَبْ إِلٰى فُلَانِ الْأَنْصَارِيِّ فَإِنَّهُ كَانَ قَدْ تَجَهَّزَ فَمَرِضَ فَقُلْ لَهُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ: اِدْفَعْ إِلَيَّ مَا تَجَهَّزْتَ بِهِ». (صحيح مسلم:134، سنن أبي داود [واللفظ له]: 2780)

''اے اللہ کے رسول! میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں لیکن میرے پاس مال نہیں ہے جس سے میں تیاری کر سکوں (سامان جہاد خریدوں) آپ نے اس سے فرمایا: ''فلاں انصاری کے پاس جا اس نے سامان جہاد تیار کر لیا تھا پھر بیمار ہو گیا، اسے کہہ دو کہ رسول اللہ ﷺ تجھے سلام کہتے ہیں اور یہ کہو کہ مجھے وہ سامان جہاد دے دو جس کے ساتھ آپ نے تیاری کی تھی۔''

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمے کی لمبی حدیث جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کا نکاح زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) سے ہو گیا تو میری والدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک برتن میں حلوہ دے کر مجھے نبی ﷺ کی طرف بھیجا اور کہا:

فَقُلْ بَعَثَتْ بِهٰذَا إِلَيْكَ أُمِّيْ وَهِيَ تُقْرِئُكَ السَّلَامَ.

(صحيح مسلم: 3507)

''رسول اللہ سے کہہ دو کہ اس کو میری والدہ نے آپ کے لیے بھیجا ہے اور

وہ آپ کو سلام کہتی ہیں۔"

ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا ابو عامر رضی اللہ عنہ کو جب غزوہ اوطاس کے موقع پر گھٹنے میں تیر لگا پھر انھوں نے مجھ سے کہا:

يَا ابْنَ أَخِي، أَقْرِئِ النَّبِيَّ ﷺ السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ اسْتَغْفِرْ لِي.

(صحيح بخاری: 4332)

"بھتیجے! میری طرف سے نبی ﷺ کو سلام کہنا اور یہ کہنا کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ۔"

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سلام بھیجنا ایک مسنون عمل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وَفِيهِ اسْتِحْبَابُ بَعْثِ السَّلَامِ إِلَى الصَّاحِبِ.

"اس حدیث میں اپنے صاحب کو سلام بھیجنے کا استحباب ثابت ہو رہا ہے۔"

غائبانہ سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ يُقْرِأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ» قَالَتْ: قُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ. (صحيح بخاری: 3217، صحيح مسلم: 2447)

"یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو تجھے سلام عرض کرتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے جواب میں کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

اس حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے اثبات کے علاوہ غائبانہ سلام کا جواب دینے کے طریقے کا بیان ہے کہ وعلیکم کی بجائے غائب کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔

فائدہ:

جس حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

إِنَّ أَبِيْ يُقْرِأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، فَقَالَ: «عَلَيْكَ وَعَلٰى أَبِيْكَ السَّلَامُ».

(عمل اليوم و الليلة لابن السني:241، سنن أبي داود:5231، شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابو داود میں اس کو حسن کہا ہے لیکن در حقیقت حدیث ضعیف ہے۔)

''میرے والد آپ کو سلام کہتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: (تجھ پر اور تیرے والد پر سلامتی ہو)۔''

تو یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام منذری رحمہ اللہ نے کہا:

اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں۔ (الترغيب: 1172)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا:

إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ اس کی سند ضعیف ہے۔ (مشكاة: 2/193)

شیخ سلیم بن عید الہلالی حفظہ اللہ اور شیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے بھی موافقت کی ہے۔

کیا سلام پہنچانے والے کو بھی جواب سلام دیا جائے گا؟

اس بارے میں علماء کے ہاں یہ تفصیل ہے کہ سلام بھیجنے والے کو تو جواب سلام دینا واجب ہے، جب کہ سلام پہنچانے والے کو مستحب ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے عمل الیوم واللیلۃ (374) میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک (3/186) میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام ہیں، اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اپنی طرف سے سلام کہتے ہیں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا:

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ.

''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ''السلام'' ہے اور جبریل علیہ السلام پر سلام ہو اور آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت۔''

امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا:

حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ.

''حدیث صحیح علیٰ شرط مسلم ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر سکوت کیا ہے۔ یاد رہے کہ جبریل علیہ السلام کی طرف سے سلام کا ذکر صحیح بخاری میں ہے۔ (صحیح بخاری: 539/1، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: (الآداب الشرعیة: 419/1، الاذکار للنووی ص:216)

باب دوئم:

مسلمانوں کے معاشرہ میں سلام کیوں متروک ہے؟

کیا مسجد میں سلام کہنا ممنوع ہے؟:

فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

(اَلسَّلَامُ تَحِيَّةُ الزَّآئِرِيْنَ ، وَالَّذِيْنَ جَلَسُوْا فِي الْمَسْجِدِ لِلْقِرَآءَةِ وَالتَّسْبِيْحِ أَوْلِانْتِظَارِ الصَّلَاةِ ؛ مَا جَلَسُوْا فِيْهِ لِدُخُوْلِ الزَّآئِرِيْنَ عَلَيْهِمْ؛ فَلَيْسَ هٰذَا آوَانُ السَّلَامِ؛ فَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ ، وَلِهٰذَا قَالُوْا: وَلَوْ سَلَّمَ عَلَيْهِمُ الدَّاخِلُ وَسِعَهُمْ أَنْ لَّا يُجِيْبُوْهُ ، كَذَا فِي الْقُنْيَةِ).

(فتاویٰ عالمگیری:325/5)

''سلام ملاقات کے لیے آنے والوں کی طرف سے تحیہ وتحفہ ہے اور جو لوگ مسجد میں پڑھنے ، تسبیح و ذکر کرنے کے لیے ، یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہیں، وہ ملاقاتیوں کے لیے نہیں بیٹھے، پس یہ سلام کہنے کا موقع نہیں ہے؛ لہٰذا ملاقات کے لیے آنے والا شخص ان کو سلام نہیں کہے گا، اور اسی وجہ سے مشائخ نے فرمایا کہ اگر آنے والے نے سلام کیا؛ تو اس کے سلام کا جواب نہ دینا درست ہے اسی طرح قنیہ میں ہے۔''

فقیہ الأحناف علامہ ابن عابدین شامی اپنی مشہور اور مایہ ناز کتاب ''رد المحتار'' میں اپنے شیخ المشائخ الشہاب احمد المنینی کا یہ شعر نقل کر کے تفریع کرتے ہیں:

وَمَنْ جَلَسُوْا فِي الْمَسْجِدِ لِصَلَاتِهِمْ
وَتَسْبِيْحِهِمْ هٰذَا عَنِ الْبَعْضِ يُسْمَعُ

''بعض کے نزدیک جو لوگ مسجد میں نماز کے انتظار میں یا ذکر و تسبیح پڑھنے کے لیے بیٹھے ہیں ان کو سلام کہنا مکروہ ہے۔''

(وَالْجَالِسِيْنَ فِي الْمَسْجِدِ لِتَسْبِيْحٍ أَوْ قِرَآءَةٍ أَوْ ذِكْرٍ حَالَ التَّذْكِيْرِ). (رد المحتار: 1/ 456، 457)

''یعنی مسجد میں تسبیحات پڑھنے، قراءت اور ذکر کے لیے بیٹھنے والوں کو حالت ذکر میں باہر سے آنے والے کے سلام کا جواب نہ دینا درست ہے۔''

جیسا کہ شرح الشرعۃ میں فقہاء سے یہ تصریح نقل ہے۔

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں سلام کہنا مکروہ وممنوع ہے، خواہ مسجد میں موجود لوگ پڑھنے، تلاوت کرنے اور تسبیح و ذکر کے لیے بیٹھے ہوں، یا کچھ بھی نہ پڑھ رہے ہوں بلکہ صرف نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں۔

یہاں بھی حضرات احناف نے ایسا ہی ایک قاعدہ بنایا ہے کہ اَلسَّلَامُ تَحِيَّةُ الزَّآئِرِيْنَ لِلْمَزُوْرِيْنَ ہے۔

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ سلام زیارت و ملاقات کے لیے آنے والے کی طرف سے اس شخص کے لیے جو اس کی ملاقات کے لیے بیٹھا اور منتظر ہے، ایک تحفہ، تحیہ اور گفٹ ہے، اس کی وضاحت اس مثال سے بھی ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص ملاقات کے لیے آتا ہے لیکن وہ شخص جس سے یہ ملاقات کرنا چاہتا ہے، وہ ملاقات و ''مصافحہ'' کے لیے تشریف فرما نہیں ہے، بلکہ کسی اور مقصد سے اپنی جگہ میں بیٹھا ہے، تو جب یہ آنے والا شخص اس کے پاس جائے گا تو سلام نہیں کرے گا، اس لیے کہ یہ سلام کا محل نہیں ہے، اسی طرح آنے والا شخص شرف زیارت و ملاقات حاصل کرنے کی نیت سے نہیں آیا ہے، بلکہ اپنے کسی دیگر مقصد کے لیے آیا ہے، مثلاً مسئلہ پوچھنے آیا ہے،

سوال کرنے آیا ہے، فیصلہ کروانے کے لیے آیا ہے تو یہ بھی سلام نہیں کہے گا۔ اس کا سلام کہنا بے موقع ہے، اور اسی لیے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ اس قاعدے کو سمجھنے کے لیے عالمگیری اور شامی کی مذکورہ عبارت کو ایک بار پھر پڑھیے اور ابن عابدین کی اس عبارت کا بغور مطالعہ کیجئے۔

ابن عابدین رقمطراز ہے:

(قَوْلُهُ: جَالِسٌ لِقَضَاءٍ قَاسَ بَعْضُ مَشَايِخِنَا الْوُلَاةَ وَالْأُمَرَاءَ عَلَى الْقَاضِي، قَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرْخَسِيُّ: الصَّحِيحُ الْفَرْقُ، فَالرَّعِيَّةُ يُسَلِّمُوْنَ عَلَى الْأُمَرَاءِ وَالْوُلَاةِ، وَالْخُصُوْمُ لَا يُسَلِّمُوْنَ عَلَى الْقُضَاةِ، وَالْفَرْقُ أَنَّ السَّلَامَ تَحِيَّةُ الزَّائِرِيْنَ وَالْخُصُوْمُ مَا تَقَدَّمُوْا إِلَى الْقَاضِي زَائِرِيْنَ بِخِلَافِ الرَّعِيَّةِ، فَعَلَى هٰذَا لَوْ جَلَسَ الْقَاضِي لِلزِّيَارَةِ فَالْخُصُوْمُ يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ، وَلَوْ جَلَسَ الْأَمِيْرُ لِفَصْلِ الْخُصُوْمَةِ لَا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ، كَذَا فِي الثَّامِنِ مِنْ كَرَاهِيَةِ التَّتَارخَانِيَةِ، وَمُقْتَضَى هٰذَا أَنَّ الْخُصُوْمَ إِذَا دَخَلُوْا عَلَى الْمُفْتِي لَا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ، تَأَمَّلْ). (رد المحتار: 456/1)

”مصنف کے اس قول کہ قاضی کو سلام نہیں کیا جائے گا ہمارے بعض مشائخ نے حکمرانوں اور افسروں کو بھی اس پر قیاس کر لیا ہے کہ ان کو بھی سلام نہیں کیا جائے گا لیکن شمس الائمہ سرخسی کا قول یہ ہے کہ قاضی اور حاکم کے درمیان فرق ہے، رعیت اپنے امیروں اور حکمرانوں کو سلام کرے گی اور خصوم (مخالفین) قاضی کو سلام نہیں کریں گے ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ سلام زائرین (ملاقاتیوں) کا تحیہ ہے، اور خصوم

(فیصلے کے لیے آنے والے) تو بحیثیت زائرین و ملاقاتیوں کے نہیں آتے، بخلاف رعیت کے (کہ وہ اپنے امراء کے پاس بحیثیت زائر و ملاقات کے جاتے ہیں لہٰذا ان کا سلام کہنا صحیح ہے اس وجہ سے اگر قاضی ملاقات کے لیے بیٹھے تو خصوم اس کو سلام کریں گے (اس لیے کہ قاضی ملاقات کے لیے بیٹھا ہے اور فریقین (خصوم) فیصلہ کروانے کے لیے نہیں بلکہ ملاقات کے لیے آرہے ہیں) اور اگر حاکم، افسر کسی تنازعہ کے فیصلے کے لیے بیٹھے تو پھر رعیت بھی ان کو سلام نہیں کرے گی یہ بات تاتارخانیہ کے باب الکراھیۃ میں ہے۔ اس تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے کے سلسلے میں یہ فریقین مفتی کے پاس آئیں گے تو اسے سلام نہیں کریں گے (اس لیے کہ مفتی تو مسئلہ بتانے کے لیے بیٹھا ہے، ملاقات اور سلام کے لیے نہیں بیٹھا)۔''

فقہ حنفی کی ایک اور معتبر کتاب الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

(وَإِذَا جَلَسَ الْقَاضِي نَاحِيَةً مِنَ الْمَسْجِدِ لِلْحُكْمِ لَا يُسَلِّمُ عَلَى الْخُصُومِ وَلَا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ جَلَسَ لِلْحُكْمِ وَالسَّلَامُ تَحِيَّةُ الزَّائِرِينَ فَيَنْبَغِي أَنْ يَشْتَغِلَ بِمَا جَلَسَ لِأَجْلِهِ، وَإِنْ سَلَّمُوا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الرَّدُّ وَعَلَى هٰذَا مَنْ جَلَسَ يُفَقِّهُ تَلَامِذَتَهُ وَ يُقْرِأُهُمُ الْقُرْآنَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ دَاخِلٌ فَسَلَّمَ وَسِعَهُ أَنْ لَّا يَرُدَّ لِأَنَّهُ إِنَّمَا جَلَسَ لِلتَّعْلِيمِ لَا لِرَدِّ السَّلَامِ).

(الإختيار لتعليل المختار: 4/165، رد المحتار: 5/295)

''اور جب قاضی مسجد کے کسی کونے میں فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھے تو فریقین کو سلام نہیں کرے گا۔ اور خصوم (فریقین) بھی ان کو سلام نہیں کریں

گے، اس لیے کہ قاضی تو فیصلے کے لیے بیٹھا ہے اور سلام تو ملاقات کے لیے آنے والوں کی طرف سے تحیہ وتحفہ ہے۔ تو قاضی کو چاہیے کہ اس کام میں مصروف رہے جس کے لیے بیٹھا ہے اور اگر انھوں نے اس کو سلام کیا تو قاضی کو اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ بنا بریں جو شخص اپنے شاگردوں کو فقہ کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو قرآن پڑھاتا ہے، پس کسی آنے والے نے آکر اسے سلام کیا، تو اسے اس کا جواب نہ دینے کی گنجائش ہے؟ اس لیے کہ یہ صاحب تو پڑھانے اور تعلیم کے لیے بیٹھا ہے، سلام کے جواب دینے کے لیے تو نہیں بیٹھا ہے۔''

قاعدے پر مزید روشنی فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت سے پڑتی ہے:

«وَلَا يَجِبُ الرَّدُّ سَلَامَ السَّآئِلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلتَّحِيَّةِ».

(فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیہ، رد المحتار:293/5)

''سائل کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے اس لیے کہ اس کا سلام تو تحیہ و ملاقات کا سلام نہیں ہے (بلکہ آنے سے اس کی غرض سوال کرنا ہے) ملاقات نہیں۔''

ان تمام تفصیلات کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ سلام کی مشروعیت و مسنونیت کے لیے دو شرطیں ہیں:

1.....آنے والے کا خالص بنیت ملاقات وزیارت آنا۔

2.....مزور (جس سے ملاقات مقصود ہو) کا صرف برائے ملاقات وسلام بیٹھنا۔

دونوں شرطیں موجود ہوں تو سلام مشروع و مسنون ہے، ان میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو سلام کہنا مشروع و مسنون نہیں ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہی

وہ قاعدہ ہے جس کے ذریعے فقہ حنفی میں بہت سے مواضع ومواقع پر سلام کہنے کو ناجائز اور مکروہ لکھا گیا اور سلام کے افشاء و پھیلاؤ کے حکم پر عمل نہ ہوسکا، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں ہم تفصیل سے کلام کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک نادرست قاعدہ ہے اس پر نہ تو قرآن مجید سے دلیل ہے اور نہ ہی سنت سے، بلکہ قرآن وسنت کی صریح نصوص سے یکسر مخالف ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی نصوص اس کی زد میں آ کر رد کر دی گئی ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ مذکورہ اقوال و قواعد خود صاحب مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہ تو بسند صحیح ثابت ہے اور نہ ہی بسند ضعیف، بلکہ بعد کے زمانے کے فقہائے احناف نے خود بنا کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾

[النساء: 4: 86]

''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو۔''

اس آیت کریمہ میں باتفاق مفسرین تحیہ سے مراد سلام ہے اور ابن العربی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (احکام القرآن: 496/1، دار الفکر بیروت)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا:

(اَلتَّحِيَّةُ السَّلَامُ). الجامع لأحكام القرآن: 297/5)

''تحیہ سلام ہی ہے۔''

اور یہی بات ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی بیان کی ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم: 503/1)

اور اسی آیت کریمہ سے سلام کے جواب دینے کا واجب ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا:

اَلْحُجَّةُ فِي فَرْضِ رَدِّ السَّلَامِ ، قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا﴾ [النساء: 4: 86] وَالرَّدُّ وَاجِبٌ عِنْدَ جَمِيْعِهِمْ. (التمهيد: 5/ 288، 289)

''سلام کے جواب کے فرض ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے (جو ذکر ہوا) اور جواب دینا سب کے نزدیک واجب ہے۔''

تو کیا اس آیت کریمہ میں یہ ہے کہ صرف زیارت و ملاقات کی نیت سے آنے والے کو سلام کا جواب دو بشرطیکہ تم بھی اس کی ملاقات و زیارت کے لیے مجلس سجائے بیٹھے ہو؟ ہرگز نہیں ہے بلکہ آیت کریمہ تو اس میں صریح ہے کہ جو بھی جس وقت سلام کرے اس جواب دیا جائے اور مذکورہ قاعدہ اس کے خلاف ہے، جیسے قرآن میں ہے:

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٤﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٢٥﴾﴾.

[الذاريات: 51: 24، 25]

''کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر بھی پہنچی ہے وہ جب ان کے یہاں آئے تو سلام کیا ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔''

اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام آنے والے مہمانوں کو نہیں پہچانتے تھے ان کی ملاقات وزیارت کے لیے مجلس نہیں سجائے بیٹھے تھے اور ان مکرم مہمانوں نے باوجود یہ کہ ابراہیم علیہ السلام ملاقات وزیارت کے لیے تشریف فرما نہیں تھے، سلام کیا۔

اس میں اس ضابطے پر صریح رد ہے، اب ہم چند احادیث نقل کرتے ہیں جس میں اس کی نادرستی مزید آشکار ہو جائے گی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ». (صحیح بخاری:6232، صحیح مسلم:5646)

''سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے شخص کو اور تھوڑے لوگ زیادہ کو۔''

اور بخاری کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَيُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ».

''اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔''

یہ راستے کے آداب ہیں۔ مذکورہ قاعدے کی رو سے تو راستے میں سلام مشروع ہی نہیں، اس لیے کہ اس میں تو ایک دوسرے کے لیے ملاقات کی شکلِ حقی کا وجود ہی نہیں ہے، چنانچہ اس سے مذکورہ قاعدے کا غلط ہونا بھی واضح ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا:

أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: «تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلَى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ». (صحیح بخاری:68)

''اسلام کا کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کو کھانا کھلانا اور سلام کہنا جن کو تم پہچانتے ہو یا نہیں پہچانتے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ». (صحیح مسلم:194)

''اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔''

اور حدیث:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ: إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ».

(صحیح مسلم: 5651)

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب بھی تم اس سے ملو تو اسے سلام کہو۔''

ان سب احادیث سے احناف کے مذکورہ قاعدے پر صریح رد ہوتا ہے، اس لیے کہ ان احادیث میں کہیں پر بھی سلام کو ان قیود و شروط کے ساتھ مقید و مشروط نہیں کیا گیا جو کتب فقہ میں ذکر ہیں۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس باب میں بہت ہی صریح ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو راستوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں اس میں بیٹھ کر ہم باہمی بات چیت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نہیں مانتے تو راستے کو اس کا حق دو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: وَمَا حَقُّهُ؟ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ». (صحیح بخاری: 6229، صحیح مسلم: 5648)

''نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔''

اس میں نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی زائر ملاقاتی کے لیے مجلس سجائے ہوئے ہیں اور نہ ہی راستے سے گزرنے والا ان کی زیارت و ملاقات کے لیے آرہا ہے بلکہ راستے سے گزرنے والا سلام کہتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام کے جواب دینے کے پابند

بنائے گئے ہیں۔

قرآن وسنت کی ان واضح نصوص سے ثابت ہوا کہ احناف کا قاعدہ انتہائی غلط ہے۔

فقہائے احناف نے اسی قاعدے کی وجہ سے کہا کہ: ذاکر، خطیب، مدرس، قاری، قاضی، مفتی، فقہ کا مطالعہ کرنے والا اور پڑھانے والا، محدث اور ان میں سے کسی ایک کو سننے والا، کھانا کھانے والا، نمازی اور مؤذن وغیرہ کو سلام کہنا مکروہ ہے اور ان کا جواب دینا بھی مکروہ اور ساقط ہے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مسئلہ کے بارے میں علیحدہ علیحدہ تفصیلی کلام کریں۔

مسجد میں سلام کہنا مشروع ومسنون ہے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث، جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء تشریف لے گئے اور وہاں نماز پڑھنے لگے:

فَجَآءَتْهُ الْأَنْصَارُ فَسَلَّمُوْا عَلَيْهِ ، وَهُوَ يُصَلِّيْ، قَالَ: فَقُلْتُ لِبِلَالٍ: كَيْفَ رَأَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ؟ قَالَ: يَقُوْلُ هٰكَذَا ، وَبَسَطَ كَفَّهُ وَبَسَطَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ (أَحَدُ رِجَالِ السَّنَدِ) كَفَّهُ وَجَعَلَ بَطْنَهُ أَسْفَلَ وَجَعَلَ ظَهْرَهُ إِلٰى فَوْقٍ. (**صحيح**: سنن أبي داود: 927، جامع ترمذي: 368، سنن ابن ماجه: 1017)

"انصار آئے اور انھوں نے آپ کو حالت نماز میں سلام کیا، میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جب انصار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہہ رہے تھے تو آپ نے حالت نماز میں سلام کا جواب کس طرح دیا؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس طرح

، اور اپنی ہتھیلی کو کھولا (راوی حدیث) جعفر بن عون نے بھی اپنی ہتھیلی کو کھولا اور ہتھیلی کے پیٹ کو نیچے کی طرف کر کے اور پشت کو اوپر کی طرف کر کے (سلام کیا)۔''

یہ حدیث مسجد کے اندر سلام کہنے کی مشروعیت پر ظاہر ہے اور نمازی کو سلام کہنے کی مشروعیت پر نص ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حدیث ''مسیئ الصلاۃ'' کے نام سے معروف ہے اس میں ہے:

أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ، ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ فَارْجِعْ ، فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ...... إلخ». (صحيح بخاری:5892)

''ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے، اس نے نماز پڑھی، پھر آیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے وعلیک السلام کہا اور فرمایا: واپس جا اور نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی وہ گیا، اس نے نماز پڑھی اور پھر آیا اور سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے وعلیک السلام کہہ کر فرمایا: واپس جا اور نماز پڑھ، تحقیق تو نے نماز نہیں پڑھی ...... الخ۔''

ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں اس نے نبی ﷺ کو مسجد حرام کے اندر سلام کیا:

فَجَآءَ النَّبِيُّ ﷺ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْمَقَامِ،

قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَإِنِّي لَأَوَّلُ النَّاسِ حَيَّاهُ بِتَحِيَّةِ الْإِسْلَامِ ، فَقَالَ: قُلْتُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ، قَالَ: وَعَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ، مَنْ أَنْتَ ؟﴾. (صحيح مسلم: 132؛ صحيح الأدب المفرد: 790)

''نبی ﷺ تشریف لائے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، پس میں آپ کے پاس آیا اور سب سے پہلے میں نے آپ کو اسلام والا سلام کیا ہے، میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: وعلیک ورحمۃ اللہ، آپ کون ہیں؟۔''

دوسری حدیث ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ کی ہے جو مسجد کے اندر مجلس وعظ و تعلیم میں بیٹھنے والوں کو سلام کہنے کی سنت پر نہایت واضح دلیل ہے:

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ ، إِذْ أَقْبَلَ نَفَرٌ ثَلَاثَةٌ ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ فَلَمَّا وَقَفَا عَلَى مَجْلِسِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سَلَّمَا ...... إلخ. (موطا للإمام مالك: 2/358)

''ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دریں اثناء کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے اندر تشریف فرما تھے اور لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ تین آدمی آئے دو رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے اور ایک چلا گیا جب وہ دونوں مجلس کے پاس پہنچ گئے تو دونوں نے سلام کیا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے:

بَابُ الْقِرَاءَةِ وَالْعَرْضِ عَلَى الْمُحَدِّثِ. (صحیح بخاری، کتاب العلم)

''محدث پر حدیث کا پیش کرنا اور پڑھنا۔''

ان نصوص سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ مسجد کے اندر لوگوں کو سلام کہنا مشروع و مسنون ہے مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دے بلکہ مسلمان تو وہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم اور فیصلے کے بعد اس کے مخالف کسی کے فیصلے کو بھی نہ مانے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾.

[محمد: 33:47]

''اللہ کی بات مانو اور رسول اللہ (ﷺ) کی بات مانو اپنے اعمال کو (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کر کے) برباد نہ کرو۔''

مسجد میں داخل ہونے والا پہلے سلام کرے یا تحیۃ المسجد پڑھے؟

فائدہ:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (2/ 413، 414) میں اور ان کی تقلید میں دوسرے لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ پہلے تحیۃ المسجد پڑھے پھر اہل مسجد کو سلام کرے کیونکہ تحیۃ المسجد خالق کا حق ہے اور سلام مخلوق کا حق ہے لہٰذا اس موقعہ پر اللہ کا حق مقدم ہوگا۔ اور اس کی دلیل حدیث ''مسیء الصلاۃ'' پیش کی ہے کہ اس میں داخل ہونے والے نے اولاً نماز پڑھی پھر آ کر نبی ﷺ کو سلام کیا۔

لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ دیگر حدیثوں میں اس کے علاوہ صورتیں ثابت ہیں

جیسا کہ موطأ کے حوالے سے تین آدمیوں کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ دو آدمی مسجد میں آئے اور مجلس میں آکر دونوں نے سلام کیا، اسی طرح بخاری و مسلم وغیرہ میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو مسجد میں آکر دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھ گئے لوگ آتے گئے پھر فَجِئْتُهُ فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ تَبَسَّمَ تَبَسُّمَ الْمُغْضَبِ میں آپ کے پاس آیا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ قبول توبہ کے وقت کعب رضی اللہ عنہ آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو مسجد میں تھے، کو سلام کیا۔ (صحیح بخاری:4418)

مسجد قباء میں انصار آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔

لہٰذا حق یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والے کی ملاقات اگر لوگوں سے ہو جاتی ہے تو یہ ان کو سلام کرے گا اور اگر لوگوں سے سامنا نہ ہو اور لوگ ذرا ہٹ کے کسی کونے میں بیٹھے ہوں تو یہ اپنی نماز پڑھے پھر اگر ان سے ملنا چاہتا ہے تو جا کر انھیں سلام کر کے ملے۔

فائدہ:

بعض لوگ جو مسجد میں آکر لوگوں سے سامنا نہ ہونے کے باوجود بہت بلند آواز سے سلام کہتے ہیں جس سے بے قراری اور بے توجہی پیدا ہوتی ہے۔ یہ درست نہیں، طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے قریب جا کر (خواہ نماز میں ہوں یا نہ ہوں) معتدل آواز سے سلام کیا جائے جیسا کہ حدیث "مسیء الصلاۃ" کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی بات ثابت ہے۔ (صحیح بخاری:4418)

کیا نمازی کو سلام کہنا مکروہ ہے؟

رد المحتار کے متن الدر المختار میں ہے:

سَلَامُكَ مَكْرُوْهٌ عَلٰى مَنْ سَتَسْمَعُ
وَمِنْ بَعْدِ مَا أُبْدِيْ يَسُنُّ وَيُشْرَعُ
مُصَلٍّ وَتَالٍ، ذَاكِرٍ وَمُحَدِّثٍ
خَطِيْبٍ وَمَنْ يُصْغِيْ إِلَيْهِمْ وَيَسْمَعُ
مُكَرِّرِ فِقْهٍ جَالِسٍ لِقَضَاءِهِ
وَمَنْ بَحَثُوْا فِي الْفِقْهِ دَعْهُمْ لِيَنْفَعُوْا
مُؤَذِّنٍ أَوْ مُقِيْمٍ مُدَرِّسٍ
كَذَا الْأَجْنَبِيَّاتِ الْفَتَيَاتِ أَمْنَعُ
وَدَعْ آكِلًا إِلَّا إِذَا كُنْتَ جَائِعًا
وَتَعْلَمُ مِنْهُ أَنَّهُ لَيْسَ يَمْنَعُ
وَقَدْ زِدْتُ عَلَيْهِ الْمُتَفَقِّهَ عَلٰى أُسْتَاذِهٖ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ). (رد المحتار علی الدر المختار: 1/ 455، 456)

''سلام کہنا مکروہ ہے ان لوگوں کو جن کے بارے میں آپ ابھی سنیں گے اور ان کے علاوہ لوگوں کو سلام کہنا مسنون و مشروع ہے: نمازی، تلاوت کرنے والا، ذاکر، محدث، جو اِن کو سنتا ہے، فقہ کا تکرار کرنے والا، فیصلے (قضاء) کے لیے بیٹھنے والا اور جو لوگ فقہ کا مطالعہ کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو (سلام نہ کہو) تا کہ فائدہ پہنچائیں (کیونکہ سلام کہنے سے وہ فقہ کا فائدہ

نہیں پہنچا سکیں گے) مؤذن، اقامت کہنے والا ، مدرس کو بھی، اسی طرح جو ان اجنبی عورتوں کو سلام کہنا اور زیادہ ممنوع ہے اور کھانا کھانے والے کو (بھی سلام کہنا مکروہ ہے) ہاں اگر تمھیں بھوک لگی ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ نہیں روکے گا تو پھر اس کو سلام کہنا جائز ہے مکروہ نہیں۔ (ورنہ مکروہ ہے) میں نے ان مذکورہ لوگوں پر اس کا بھی اضافہ کیا ہے کہ طالب علم اپنے استاذ کو سلام نہیں کہے گا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامی نے تصریح کی ہے کہ کراہت سے مراد تحریمی ہے:

ظَاهِرُهُ التَّحْرِيمُ . (رد المحتار على الدر المختار:1/ 455، 456)

یعنی مذکورہ لوگوں کو سلام کہنا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہوتا ہے اور اس کا فاعل بھی گناہ گار ہوتا ہے۔ اب ہم ہر ایک کا جائزہ لیتے ہیں:

نمازی کو سلام کہنا مسنون ہے

نمازی کو سلام کہنا بلاشبہ مسنون ہے اور اس پر دو قسم کے دلائل ہیں:

1......دلائل عامہ

2......دلائل خاصہ

دلائل عامہ:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا ، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»

(صحیح مسلم:194)

''تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ بن جاؤ، اور تم مومن اس وقت تک نہیں بن سکتے، جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم اسے کرو گے تو آپس میں محبت کرو گے (وہ یہ ہے کہ) آپس میں سلام کو عام کرو۔''

یہ حدیث مطلق اور عام ہے اور قاعدہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر اور عام کو اپنے عموم پر چھوڑا جائے گا، یہاں تک کہ کوئی مقید یا مخصص ملے۔ اور ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس کی رو سے نمازی کو اس حکم سے خارج کر دیا جائے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ - وَ فِيهِ - وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ.

(صحيح بخاري: 6235)

''ہمیں نبی ﷺ نے سات چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے: ان سات میں سے ایک یہ ہے کہ سلام کو پھیلاؤ۔''

اسی طرح عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ». (جامع ترمذي: 2458)

''اے لوگو! سلام کو عام کرو اور کھانا کھلاؤ اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تم نماز پڑھو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

ان احادیث میں لفظ ''اِفشاء'' آیا ہے اور اس کا معنی پھیلانا اور عام کرنا ہے، تو جو شخص مسجد میں اور نمازی، ذاکر، مدرس، قاری وغیرہ وغیرہ کو سلام نہیں کہتا، تو کیا وہ اس حکمِ نبی ﷺ کی مخالفت نہیں کرتا؟ حالانکہ اس کے پاس اس بارے میں کوئی بھی دلیل

شرعی موجود نہیں ہے۔ مسلمان کا یہ طرز عمل نہیں ہوتا کہ وہ نبی ﷺ کی مخالفت کرے۔

اس سلسلے میں دلائل عامہ تو بکثرت ہیں ہم اسی پر اکتفاء کر کے اب دلائل خاصہ ذکر کرتے ہیں:

دلائل خاصہ:

*…… حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

یہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ امام ابو داود رحمہ اللہ نے اس کو اپنی سنن میں باب رد السلام فی الصلاۃ "نماز میں سلام کے جواب" اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے باب المصلی یسلم علیه کیف یرد. "نمازی کو سلام کہا جائے تو کس طرح جواب دے گا؟" کے عنوان سے ذکر کیا ہے:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى قُبَآءَ يُصَلِّيْ فِيْهِ ، قَالَ: فَجَآءَتْهُ الْأَنْصَارُ فَسَلَّمُوْا عَلَيْهِ ، وَهُوَ يُصَلِّيْ قَالَ: فَقُلْتُ لِبِلَالٍ: كَيْفَ رَأَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ؟ قَالَ: يَقُوْلُ هٰكَذَا ، وَبَسَطَ كَفَّهُ وَبَسَطَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ كَفَّهُ وَجَعَلَ بَطْنَهُ أَسْفَلَ وَجَعَلَ ظَهْرَهُ إِلٰى فَوْقٍ.

(**صحيح**: سنن أبي داود:927، جامع ترمذي:368، سنن ابن ماجه:1017)

"انصار آئے اور انھوں نے آپ کو حالتِ نماز میں سلام کیا، میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جب انصار نبی ﷺ کو سلام کہہ رہے تھے تو آپ ﷺ نے حالت نماز میں سلام کا جواب کس طرح دیا؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ اس طرح، اور اپنی ہتھیلی کو کھولا اور جعفر بن عون نے بھی اپنی ہتھیلی کو کھولا اور ہتھیلی کے پیٹ کو نیچے کی طرف کر کے اور پشت کو اوپر کی طرف کر کے (سلام کیا)۔"

اس حدیث میں ان لوگوں پر کتنا بلیغ رد ہے، جو نمازی کو سلام کہنا مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے انصار صحابہ کرام کے اس فعل پر بالکل انکار نہیں کیا بلکہ ان کے سلام کا جواب اشارے سے دیا تو یہ اس پر واضح دلیل ہے کہ نمازی کو سلام کہنا مشروع و مسنون ہے، اور نمازی اس کا جواب اشارے سے دے گا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سمجھا۔

حقیقت یہ ہے کہ نمازی کو سلام کہنا صحیح اور مضبوط دلائل سے ثابت ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ نمازی سلام کا جواب وعلیکم السلام سے نہیں دے گا، اس لیے کہ وعلیکم السلام سے جواب دینا کلام ہے اور نماز میں کلام کرنا ابتدائے اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ ؛ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا ـ وَقَالَ: «إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغُلًا». (صحیح بخاری: 1199، صحیح مسلم: 1201)

''ہم نبی ﷺ کو جب آپ نماز میں ہوتے، سلام کرتے تھے تو آپ ﷺ ہمیں جواب دیتے تھے جب ہم نجاشی کے ہاں سے آئے تو ہم نے آپ کو سلام کیا، آپ نے جواب نہیں دیا، اور فرمایا: نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔''

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے:

بَابُ تَحْرِيمِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ وَنَسْخِ مَا كَانَ مِنْ إِبَاحَته.

(صحیح مسلم مع شرح نووی:20/5)

''باب ہے: نماز میں کلام کے حرام ہو جانے اور اس کے جواز کے منسوخ ہو جانے کے بیان میں۔''

امام ابو داود رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ابو وائل کے طریق سے بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے بھی زیادہ کامل طریقے سے روایت کیا ہے:

كُنَّا نُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ وَنَأْمُرُ بِحَاجَتِنَا ، فَقَدِمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ السَّلَامَ فَأَخَذَنِي مَا قَدُمَ وَمَا حَدُثَ ، فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصَّلَاةَ قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهٖ مَايَشَاءُ وَإِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ قَدْ أَحْدَثَ مِنْ أَمْرِهٖ أَنْ لَّا تَكَلَّمُوْا فِي الصَّلَاةِ فَرَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ».

(سنن أبي داود:924 وهو حسن صحيح قاله الألباني رحمه الله)

’’ہم نے نماز میں سلام کیا کرتے تھے اور اپنی ضروریات کے بارے میں بھی کسی کو کہتے تھے، (لیکن) جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (حبشہ سے) آیا، آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب (وعلیکم السلام سے) نہیں دیا، میں گزشتہ و موجودہ واقعات کے بارے میں سوچنے لگا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی، تو فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے امر کے بارے میں جیسے اور جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ حکم ارشاد فرمایا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو، اور میرے سلام کا جواب دیا۔‘‘

بعض حنفی حضرات عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا کے ساتھ جوابِ سلام کی نفی پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ استدلال باطل ہے، وجہ یہ ہے کہ ابو داود کی مذکورہ روایت میں فَلَمْ يَرُدَّ السَّلَامَ ہے تو فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا سے مراد یہ ہے کہ سلام کا جواب زبان سے نہیں دیا جیسا کہ واضح ہے، اور طبرانی کی روایت میں

تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب اشارے سے دیا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَأَشَارَ إِلَيَّ (فَرَدَّ إِشَارَةً).

(المعجم الأوسط والصغير للطبراني ورجاله رجال الصحيح كما في المجمع: 82/6)

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے اشارے کے ساتھ جواب دیا۔''

*...... جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

بَعَثَنِيَ النَّبِيُّ ﷺ لِحَاجَةٍ ثُمَّ أَدْرَكْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَأَشَارَ إِلَيَّ فَلَمَّا فَرَغَ دَعَانِيْ، فَقَالَ: «إِنَّكَ سَلَّمْتَ عَلَيَّ آنِفًا وَأَنَا أُصَلِّيْ». (**صحيح**: سنن ابن ماجه:1018)

''مجھے نبی ﷺ نے کسی کام کے لیے بھیجا، پھر جب میں آیا آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کو سلام کیا، تو آپ ﷺ نے مجھے اشارہ کیا، اور جب نماز سے فارغ ہوئے، تو مجھے بلا کر فرمایا: آپ نے مجھے ابھی سلام کیا اور میں نماز پڑھ رہا تھا۔''

*...... صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث:

صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، فَرَدَّ إِشَارَةً، قَالَ الرَّاوِيْ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ: إِشَارَةً بِأُصْبُعِهِ.

(**صحيح**: سنن أبي داود:925)

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے مجھے اشارے سے جواب دیا، راوی کہتا ہے اور میں نہیں جانتا مگر یہ کہ اس نے کہا: نبی ﷺ نے انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔''

✱ ......نافع رحمہ اللہ کی روایت:

نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّيْ ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ: إِذَا سُلِّمَ عَلٰى أَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَ لْيُشِرْ بِيَدِهٖ.

(موطأ للإمام مالك: 108/1، مصنف ابن ابی شیبہ: 74/2)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے اسے سلام کیا، اس نے ''وعلیکم السلام'' سے جواب دیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما واپس ہوئے اور اس سے کہا: جب نماز کی حالت میں تم میں سے کسی کو سلام کیا جائے تو وہ بات نہ کرے اور ہاتھ کے اشارے سے جواب دے۔''

✱ ...... ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے:

أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ ، فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ بِإِشَارَةٍ ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّا كُنَّا نَرُدُّ السَّلَامَ فَنُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ». (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2917)

ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو حالتِ نماز میں سلام کیا، تو نبی ﷺ نے

اشارے کے ساتھ جواب دیا، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اس آدمی سے فرمایا: ہم (اس سے پہلے) نماز میں سلام کے جواب میں "وعلیکم السلام" کہتے تھے، پھر ہم اس سے منع کیے گئے۔"

حدیث کے اندر جس آدمی کا ذکر ہے یہ خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تھے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کیا۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ نماز میں سلام کا جواب "وعلیکم السلام" سے دینا منسوخ ہو گیا ہے اور اس کی جگہ سلام کا جواب اشارے سے دیا جائے گا۔ تو اس حدیث سے نمازی کو سلام کہنے کا مسنون ہونا ثابت ہوا ہے اور انکار نہیں کیا ہے بلکہ اشارے سے جواب دے کر اس عمل کی مشروعیت کو ظاہر فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے نماز کے دوران دیگر سلام کہنے والوں کی بھی تقریر و تثبیت فرمائی ہے اور کسی پر انکار نہیں کیا ہے۔

احناف نے نمازی کو سلام کہنا تو مکروہ لکھا ہی ہے، اسی طرح نمازی کا اشارے کے ساتھ جواب دینا بھی ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری (106/1) میں ہے:

وَيُكْرَهُ رَدُّ السَّلَامِ بِيَدِهِ.

"نمازی کا ہاتھ کے اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔"

ردالمختار کے متن الدرالمختار میں ہے:

وَرَدُّ السَّلَامِ وَلَوْ سَهْوًا بِلِسَانِهِ مُفْسِدٌ لَا بِيَدِهِ بَلْ يُكْرَهُ عَلَى الْمُعْتَمَدِ. (رد المحتار:455/1)

"زبان سے سلام کا جواب دینا اگرچہ سہواً ہو، مفسد نماز ہے اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا بناء برقول معتمد مکروہ ہے۔"

کنز شریف کی مکروہات میں تحریر ہے:

وَرَدُّ السَّلَامِ بِيَدِهٖ قَالَ ابْنُ نُجَيْمٍ: أَيْ بِالْإِشَارَةِ. (البحر الرائق: 2/ 23)

''نماز میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔''

اور یہ قاعدہ احناف کے ہاں مشہور و معروف ہے کہ کراہت مطلقاً ذکر ہو تو اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے جو کہ قریب بہ حرام ہوتی ہے۔ (دیکھئے البحر الرائق)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ جب کہتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں تو اس سے آپ کی کیا مراد ہوتی؟ تو اس نے کہا: ''التحریم'' یعنی حرام۔ (ھامش الھدایہ: 4/ 172)

اور صاحب ہدایہ کہتے ہیں:

''امام محمد بن الحسن الشیبانی سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ مکروہ کو حرام سمجھتے ہیں۔''

اور امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کہتے ہیں:

هُوَ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ. (هدایة: 4/ 185)

''مکروہ حرام کے قریب تر ہے۔''

شیخ احمد سرہندی حنفی معروف بہ مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

''پس مکروھے کہ مقابل مباح است مکروہ تحریمی است۔''

(مکتوبات، مکتوب [9] دفتر اول طبع لاہور)

''پس جو مکروہ مباح کے مقابل ہوتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے۔''

حضرات احناف نے اپنے اس قول کے لیے ایک ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ابن الہمام نے ہدایہ کی شرح فتح القدیر (1/ 406) میں نماز کی مفسدات و مکروہات

کے تحت لکھا ہے:

مَنْ أَشَارَ فِي الصَّلَاةِ إِشَارَةً تُفْهَمُ أَوْ تُفْقَهُ فَقَدْ قَطَعَ الصَّلَاةَ.

''جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا جو مفہوم اور سمجھا جاتا ہو تو تحقیق اس نے نماز توڑ ڈالی ہے۔''

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی ذکر ہے:

مَنْ أَشَارَ فِيْ صَلَاتِهِ إِشَارَةً تُفْهَمُ عَنْهُ فَلْيُعِدْ لَهَا. يَعْنِى الصَّلَاةَ.

(سنن أبي داود:944)

''جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا جس سے فہم حاصل ہوتا ہو تو وہ اپنی نماز کو لوٹائے۔''

امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

هٰذَا الْحَدِيْثُ وَهْمٌ.

''یہ وہم ہے۔''

امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ ہمیں ابن ابی داود نے کہا: ابوغطفان (سند میں ایک راوی) مجہول ہے۔

وَلَعَلَّ الْحَدِيْثَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ إِسْحَاقَ وَالصَّحِيْحُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يُشِيْرُ فِي الصَّلَاةِ. (رواه أنس وجابر وغيرهما عن النبي ﷺ) قال الدارقطني: رواه ابن عمر وعائشة أيضًا.

''اور شاید یہ ابن اسحاق کا اپنا قول ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اشارہ کرتے تھے جسے انس رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس طرح کی روایات ثابت

ہیں۔"

علامہ شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَ إِنَّمَا عِلَّةُ الْحَدِيْثِ ابْنُ إِسْحَاقَ وَهُوَ مُدَلِّسٌ وَقَدْ عَنْعَنَهُ.

"حدیث کی علت ابن اسحاق ہے وہ مدلس ہے اور اس نے اسے عنعنہ سے روایت کیا ہے (اور ایسی زیادت لائے ہیں جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے)۔"

اور نصب الرایہ (90/2) میں زیلعی کا قول تو غرائب میں سے ہے کہ اس نے اس حدیث کو "جید" کہا ہے باوجود یہ کہ اس نے ابن الجوزی سے یہ نقل کیا ہے کہ اس نے "التحقیق" میں اس حدیث کو اس علت سے معلول قرار دیا ہے اور اس علت کو بھی ذکر کیا ہے جو پہلے گزری (راوی سند ابوغطفان مجہول ہے) پھر اس نے خود ذکر کیا ہے کہ صاحب "التحقیق" نے پہلی علت کے بارے میں ابن الجوزی کا تعاقب کیا ہے جب کہ دوسری علت (ابن اسحاق کا مدلس ہونا اور عن کے ساتھ روایت کرنا) کے بارے میں کوئی تعاقب نہیں کیا ہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

لَا يَثْبُتُ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ.

"اس حدیث کی سند ثابت نہیں اور یہ ہیچ ہے۔"

اور اس طرح زیلعی نے تسلیم کیا اور کوئی تعاقب نہیں کیا اور تعاقب کرنے کا مجال ہی نہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس نے اس سے استدلال بھی کیا جب مذہب حنفی کے مطابق ہدایہ میں یہ مسئلہ آیا:

وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهِ وَلَا بِيَدِهِ لِأَنَّهُ كَلَامٌ مَعْنًا حَتّٰى لَوْ صَافَحَ بِنِيَّةِ التَّسْلِيمِ تَبْطُلُ صَلَاتُهُ.

''اور سلام کا جواب نہ زبان سے دیا جائے گا نہ ہاتھ کے اشارے سے، اس لیے کہ ہاتھ کے اشارے سے کلام کا جواب دینا معناً کلام ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے سلام کرنے کی نیت سے مصافحہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔''

باوجود یہ کہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی دلیل نہیں، ان کا یہ قول نبی ﷺ سے ثابت اور صحیح احادیث کے بھی مخالف ہے جس میں ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اشارہ کرتے تھے اور سلام کا جواب اشارے سے دیتے تھے، تو یہ (مستدل احناف) حدیث منکر ہے۔ ابن ابی داود کے کلام میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے عبدالحق الاشبیلی نے اپنی کتاب ''الأحکام'' میں اس کے بعد لکھا ہے:

وَالصَّحِيحُ إِبَاحَةُ الْإِشَارَةِ عَلٰى مَا ذَكَرَ مُسْلِمٌ وَغَيْرُهُ.

''اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ کرنا جائز ہے بناء بروایت مسلم وغیرہ کے۔''

انتهى كلام الألباني رحمه الله.

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة: 1104)

نبی ﷺ سے دوران نماز ہاتھ کے اشارے سے کلام کا جواب دینا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے، چند احادیث پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جو کہ ایک منصف شخص کے لیے کافی ہیں چند مزید دلائل درج ذیل ہیں:

امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی سنن (صحیح: سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب الاشارۃ فی الصلاۃ: 943)، عبدالرزاق نے اپنی مصنف (مصنف عبدالرزاق: 3276) اور امام بیہقی اپنی سنن (السنن الکبریٰ للبیہقی: 262/2) میں صحیح سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ

سے روایت کیا ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُشِيرُ فِي الصَّلَاةِ.

''بے شک نبی ﷺ نماز میں اشارہ کیا کرتے تھے۔''

امام بخاری و امام مسلم دونوں نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے دوران نماز اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی کو اشارہ کیا:

فَأَشَارَ بِيَدِهِ فَتَأَخَّرَتْ عَنْهُ. (صحیح بخاری:1233)

''نبی کریم ﷺ نے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔''

علامہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ''سلسلہ الأحادیث الصحیحة'' میں صحیح ابن خزیمہ اور ''مسند ابی یعلیٰ'' کے حوالے سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ذکر کی ہے:

كَانَ يُصَلِّى فَإِذَا سَجَدَ، وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى ظَهْرِهِ فَإِذَا أَرَادُوا أَنْ يَمْنَعُوهُمَا؛ أَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ دَعُوهُمَا فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ؛ وَضَعَهُمَا فِي حِجْرِهِ، وَقَالَ: «مَنْ أَحَبَّنِي، فَلْيُحِبَّ هٰذَيْنِ».

(سلسلة الأحاديث الصحيحة:312)

''آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، جب سجدہ کرتے تو حسن اور حسین رضی اللہ عنہما چھلانگ لگا کر آپ ﷺ کی پشت پر چڑھ جاتے، جب لوگ ان کو منع کرنا چاہتے تو نبی ﷺ لوگوں کو اشارہ سے فرماتے کہ ان کو چھوڑ دو، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دونوں کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: جو مجھ سے محبت کرتا ہے تو وہ ان دونوں سے محبت کرے۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے نماز میں ایک عورت کو، جس نے آپ کو ہدیہ پیش کیا تھا، اشارے سے کہا کہ اسے رکھو:

عَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ أُمِّهِ أَنَّ مَوْلَاتَهَا أَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ إِلٰى عَائِشَةَ قَالَتْ: فَوَجَدْتُهَا تُصَلِّيْ فَأَشَارَتْ إِلَيَّ أَنْ ضَعِيْهَا. (**صحيح**: سنن أبي داود:75)

اس کے علاوہ مصنف عبدالرزاق میں باب الإشارة فی الصلاة کے تحت بہت سے آثار ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک منصف اور متبع شریعت مسلمان کے لیے یہ دلائل کافی و وافی ہیں۔ کوئی بھی شخص اگر انصاف کے ساتھ ان دلائل میں غور کرے گا تو اسے حق ضرور ظاہر ہو جائے گا۔ (ان شاءاللہ)

ہم یہاں پھر احناف کے مستدل حدیث کے بارے میں کلام کرتے ہیں: جیسا کہ ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور قابل استدلال نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ احناف اگرچہ اس کو دلیل بناتے ہیں لیکن خود ان کا عمل اس حدیث پر نہیں ہے اس لیے کہ اس (ضعیف) حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس نے نماز میں اشارہ مفہومہ کیا تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور وہ نماز کو لوٹائے، لیکن احناف کا عمل اس کے خلاف ہے، یہ کہتے ہیں کہ نماز میں اشارہ کرنا مکروہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس حدیث کو دلیل بنایا خود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ امام ابن الہمام حنفی، علامہ حلبی حنفی اور ابن نجیم مصری حنفی رحمہم اللہ کو دلائلِ مذہب کی کمزوری اور اس کے مقابلے میں احادیث صحیحہ کے ثبوت و وجود کے پیش نظر سپر انداز ہونا پڑا اور نماز میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کے جواب دینے کے جواز کے قائل ہوئے۔ والحمدللہ

ذَكَرَ ابْنُ النُّجَيْمِ نَقْلًا عَنِ الْعَلَّامَةِ الْحَلَبِيِّ: وَ فِعْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَهَا إِنَّمَا كَانَ تَعْلِيْمًا لِلْجَوَازِ فَلَا يُوْصَفُ بِالْكَرَاهَةِ.

(البحر الرائق:2/9)

''اور نبی ﷺ کا نماز میں سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دینا تعلیم جواز کے لیے تھا اس لیے اس فعل کو مکروہ نہیں کہا جائے گا۔''

اور فتح القدیر میں ہے:

وَلَنَا أَنْ لَا نَقُولَ بِهِ فَإِنَّ مَا فِي الْغَايَةِ عَنِ الْحَلْوَانِيِّ وَصَاحِبِ الْمُحِيطِ: لَا بَأْسَ أَنْ يَتَكَلَّمَ مَعَ الْمُصَلِّيْ وَيُجِيْبَ هُوَ بِرَأْسِهِ، يُفِيْدُ عَدَمَ الْكَرَاهَةِ. (فتح القدیر: 1/ 424، 423)

''اور ہمیں چاہیے کہ نماز میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کے جواب کو مکروہ نہ کہیں اس لیے کہ حلوانی اور صاحب محیط سے ''الغاية'' میں یہ روایت آئی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ نمازی سے بات کی جائے اور وہ سر کے اشارے سے جواب دے، اس سے عدم کراہت ثابت ہوتی ہے۔''

تلاوت کرنے والے کو سلام کہنا

احناف کے ہاں تلاوت کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے، خواہ تلاوت کرنے والا ایک ہو اور باقی سننے والے، بعض تلاوت کرنے والے اور بعض سننے والے، بہر صورت تلاوت کے دوران سلام کہنا ممنوع ہے۔

سَلَامُكَ مَكْرُوْهٌ عَلٰى مَنْ سَتَسْمَعُ
وَمِنْ بَعْدِ مَا أُبْدِيْ يَسُنُّ وَيُشْرَعُ
مُصَلٍّ وَتَالٍ، ذَاكِرٍ وَمُحَدِّثٍ
خَطِيْبٍ وَمَنْ يُصْغِيْ إِلَيْهِمْ وَيَسْمَعُ.

(رد المحتار: 1/456)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والے کو سلام کہنا بلاشبہ مشروع ہے اور اس پر دو قسم کے دلائل ہیں:

1......دلائل عامہ:

جو نمازی کو سلام کی مشروعیت کی بحث میں ذکر کیے جا چکے ہیں۔

2......دلائل خاصہ:

اور یہ بھی نمازی کو دورانِ نماز سلام کہنے کی مشروعیت کی بحث میں گزر چکے ہیں اس لیے کہ جب نمازی کو سلام کہنا ثابت ہے حالانکہ وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اس شخص کو بطریق اولیٰ سلام کہنا درست ہے جو نماز میں نہیں ہے اور قرآن پڑھ رہا ہے۔

اس کے علاوہ اس بارے نہایت صریح اور صحیح حدیث عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی ہے:

كُنَّا جُلُوْسًا فِي الْمَسْجِدِ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَسَلَّمَ عَلَيْنَا فَرَدَدْنَا عَلَيْهِ السَّلَامَ. (السنن الکبریٰ للنسائی: 5/ 18، 19)

''ہم مسجد میں بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے اور ہمیں سلام کیا، ہم نے آپ کو سلام کا جواب دیا۔''

اور اس وجہ سے بھی تلاوت کرنے والے کو سلام کہنا مشروع ہے کہ اسے سلام کہنے سے منع نہیں آیا لہٰذا یہ دلائل عامہ کے عموم کے تحت ہے۔

ذکر کرنے والے کو سلام کہنا

احناف کے نزدیک ذکر کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے، یہ ذکر جس قسم کا اور جس طریقہ سے بھی ہو۔

علامہ شامی کہتے ہیں:

فَيُكْرَهُ السَّلَامُ عَلٰى مُشْتَغِلٍ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِأَيِّ وَجْهٍ كَانَ [رَحْمَتِي]۔ (رد المحتار:1/456)

''اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول شخص کو سلام کہنا مکروہ ہے ذکر خواہ جس طرح بھی ہو۔''

لیکن ذکر کرنے والے کو سلام کہنا بلاشبہ مشروع و مسنون ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں: دلائل عامہ جو نمازی کو سلام کہنے کے مبحث میں گزر چکے ہیں۔ دلائل خاصہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو نمازی کو سلام کے بارے میں وارد ہیں اس لیے کہ نماز بھی ذکر ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»۔ (صحیح مسلم:5373)

''نماز تو بس تسبیح، تکبیر اور قرآن کا پڑھنا ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ نماز ذکر اور نمازی بھی ذاکر ہے تو جب نمازی کو سلام کہنا مشروع ہے تو ذاکر کو بطریق اولیٰ جائز ہے۔

دیگر دلائل خاصہ

دیگر دلائل خاصہ یہ ہیں: نبی کریم ﷺ کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ. (صحیح مسلم: 373)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کسی مجلس میں بیٹھتے تو اٹھنے سے پہلے سو دفعہ نبی ﷺ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے ہم شمار کر لیتے:

«رَبِّ اغْفِرْلِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ».

(**صحيح**: جامع ترمذي: 3434؛ سنن ابن ماجه: 3814)

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان حالات میں بھی آپ کو سلام کرتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ ذکر کرنے والوں کو سلام کہنا مسنون و مشروع ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾۔

[آل عمران:3: 191]

''عقل مند وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے۔''

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾﴾۔ [الأحزاب:33:21]

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں عمدہ نمونہ موجود ہے، اس کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔''

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾۔ [الأحزاب:33: 35]

''اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ذکر کا حکم اور ترغیب بھی دی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾﴾۔ [الأحزاب:33: 41،42]

''اے ایمان والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکیزگی بیان کیا کرو۔''

«لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ». (**صحيح**: جامع ترمذي: 3375)

''تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔''

اس کے علاوہ بہت سی آیات واحادیث اس معنی پر دال ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر کی عام ترغیب کے علاوہ دیگر اوقات ومواضع کے لیے بھی دعائیں اور اذکار متعین فرمائے ہیں۔

رات کے وقت کروٹ بدلنے کی دعا، تہجد کے لیے اٹھنے کے وقت کی دعا، نیند سے اٹھنے کی دعا، بیت الخلاء جانے اور اس سے نکلنے کی دعا، وضو سے پہلے اور وضو کے بعد کی دعا، نمازوں کے بعد اذکار وادعیہ، مجلس سے اٹھنے اور مجلس کے اندر پڑھنے کی دعا، کھانا شروع کرنے اور اس سے فارغ ہوکر پڑھنے کی دعا، لباس پہننے کی دعا، نیا لباس پہننے والے کے لیے دعا، دوران اذان اور بعد اذان دعائیں، صبح وشام کی دعائیں، سونے اور جاگنے کی دعائیں، فکرمندی، غم تکلیف اور مصیبت کے وقت کی دعائیں، دشمن اور صاحب سلطنت سے ملنے کے وقت کی دعائیں، بادشاہ کے ظلم سے خوف کی دعائیں، لوگوں سے ڈرنے کی دعا، ایمان میں شک ہو جانے کے وقت کی دعا، ادائیگی قرض، مشکل وقت، گناہ کر بیٹھنے کے بعد کی دعائیں، شیطان اور اس کے وسوسوں کو دور کرنے کی دعا، ناپسندیدہ واقعہ پیش آنے، یا بے بس ہونے کے وقت کی دعا، تعزیت، آندھی، بادل گرجنے، بارش طلب کرنے، بارش اترنے کے وقت اور اس کے بعد اور مطلع صاف ہو جانے کی دعائیں، چاند دیکھنے کی دعا، روزہ افطار کرنے کی دعا، مہمان کی میزبان کو دعا، پلانے والے کے لیے دعا، بیوی کے پاس جانے کی دعا، غصہ آ جانے کے وقت کی

دعا، مصیبت زدہ کی دعا، پہلا پھل دیکھنے کی دعا، چھینک کی دعا، اچھا سلوک کرنے والے کے لیے دعا، دجال سے محفوظ رہنے، شرک سے خوف کی دعا، برکت کی دعا، سواری پھسلنے کے وقت کی دعا، مسافر کی مقیم کے لیے دعا، اور بالعکس، دوران سفر تسبیح و تکبیر اور صبح کے وقت کی دعا، سفر سے واپسی کی دعا، خوشخبری یا پریشانی کی بات سننے کے وقت، مرغ بولنے، گدھا ہینگنے اور رات کو کتوں کے بھونکنے کے وقت کی دعائیں، حج میں ثابت شدہ دعائیں پڑھنا، خوشی محسوس کرنے اور خوش کن کام پر تکبیر کہنا، گھبراہٹ کے وقت کی دعا، جسم میں تکلیف، اپنی نظر لگ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کی دعا، اور سرکش شیطانوں کے مکر وفریب سے بچنے کی دعا۔

یہ اذکار اور دعائیں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے دیگر مواضع و مواقع پر آپ ﷺ نے دعا و ذکر کی ترغیب دی ہے اور شریعت میں ذکر و دعا کی عام ترغیب اور تعلیم ہے اور الحمد للہ مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں۔

اگر احناف کے مذکورہ اصول کو مان کر اس پر عمل کیا جائے تو اس کا واضح مطلب اور براہ راست نتیجہ یہی نکلے گا کہ سلام مسلمانوں کے معاشرہ سے نکل جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ أَعَمُّ فَيُكْرَهُ السَّلَامُ عَلَى مُشْتَغِلٍ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِأَيِّ وَجْهٍ كَانَ. (رد المحتار:46/1)

”اور ظاہر ہے کہ ذکر عام ہے تو جس طرح بھی ایک شخص اللہ کے ذکر میں لگا ہے اور ذکر جس قسم کا بھی ہے ایسے شخص کو سلام کہنا مکروہ ہے۔“

ایک اور دلیل یہ ہے کہ سلام کہنا خود ذکر ہے اس لیے کہ ”السلام“ اللہ تعالیٰ کا نام ہے:

﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ﴾۔ [الحشر:23:59]

''بادشاہ، پاک اور سلام ہے۔''

«إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ»۔ (صحیح بخاری:6230)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی (السلام) ہے۔''

اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة:184/1)

''سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں رکھا ہے پس تم آپس میں سلام کو عام کرو۔''

ثابت ہوا کہ ''السلام'' اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عام کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ ذکر ہے اور یہ بات حضرات احناف کو بھی تسلیم ہے ہدایہ میں ہے:

لِأَنَّهُ مِنَ الْأَذْكَارِ.

''اس لیے سلام اذکار میں سے ہے۔''

شارح ہدایہ اس کے تحت لکھتا ہے:

إِذِ الْمُتَشَهِّدُ يُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (فتح القدير:406/1، دار الباز)

''کیونکہ تشہد پڑھنے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔''

مولانا مفتی محمد شفیع حنفی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

’’خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے (1) اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے۔ (2) تذکیر بھی (3) اپنے مسلمان بھائی سے اظہار تعلق و محبت بھی (4) اس کے لیے بہترین دعا بھی (5) اور اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔‘‘

(معارف القرآن:2/502)

جب خود احناف نے یہ تسلیم کیا کہ سلام ذکر ہے بلکہ یہ بھی مان لیا کہ یہ دعا بھی ہے، پس اگر ایک مسلمان ذکر میں مصروف ہے تو کیا دوسرا مسلمان ذکر سے روکا گیا ہے؟ اگر سلام کی بجائے آنے والا شخص ذاکر کے پاس کوئی دوسرا ذکر شروع کرے تو کیا وہ بھی ناجائز ہوگا؟ ظاہر ہے کہ احناف اسے ناجائز نہیں کہتے تو سلام کیونکر ناجائز ہے؟ حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ مَا حَسَدُوكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِينِ»۔ (الأدب المفرد: 988، سنن ابن ماجه: 856، صحیح ابن خزیمه: 874، سلسلة الأحاديث الصحيحة:691، 692)

’’یہودی تم سے کسی بھی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام اور آمین کی وجہ سے کرتے ہیں۔ (یعنی تم سلام اور آمین کہتے ہو تو ان کو چڑ ہوتی ہے)۔‘‘

احناف نے فرمایا کہ ذکر کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے، مدرس کو سلام کہنا مکروہ ہے، فقہ کا مطالعہ کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے۔ ان سے عرض ہے کہ ان کے ساتھ بات بھی مکروہ ہے کہ نہیں؟ کوئی شخص آ کر ان کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہے، آپ کے ہاں ان کے ساتھ بات کرنا کیسا ہے؟ فقہ حنفی کی کتابوں میں تو بات کرنے کو مکروہ نہیں لکھا ہے۔ اگر تمھارے ہاں بات کرنا جائز ہے اور سلام کہنا مکروہ، تو سوال یہ ہے کہ سلام

کیوں مکروہ ہے اور بات کرنا کیوں جائز؟ کیا سلام عام باتوں سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے؟ اور کیا اللہ کا نام لینا جرم ہے؟ اور عام بات کرنا درست؟ ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ﴾ . [النجم: 53: 22]

رسول کریم ﷺ کی تعلیم تو یہ ہے کہ ملاقات کے وقت بات کرنے سے پہلے سلام ضرور کہیں اور جو شخص بات کرنے سے پہلے سلام نہ کہے تو اس کی بات کا جواب بھی نہ دو:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «وَمَنْ بَدَأَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيْبُوْهُ».

(سلسلة الأحاديث الصحيحة. 816،817؛ زاد المعاد: 415/1)

"اور جو شخص سلام کرنے سے پہلے بات شروع کرے تو اسے جواب نہ دو۔"

اور فرمایا:

«لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَّمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ».

(سلسلة الأحاديث الصحيحة: 816،817؛ زاد المعاد: 415/1)

"جو پہلے سلام نہ کہے تو اسے آنے کی اجازت نہ دو۔"

رسول کریم ﷺ کا حکم تو یہ ہے کہ مسلمان کسی مجلس میں جائے تو پہلے سلام کرے اور جب اس مجلس سے جانا چاہے تو سلام کر کے جائے:

«إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّقُوْمَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْأُوْلَى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ».

(سلسلة الأحاديث الصحيحة: 816،817؛ زاد المعاد: 415/1)

"جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے اور جب جانے کا ارادہ کرے تو سلام کرے، اس لیے کہ بارِ اول بارِ آخر سے زیادہ حق دار نہیں ہے۔"

اسی طرح معاویہ بن قرہ کی حدیث میں ہے، مجھے میرے والد نے کہا:

يَا بُنَيَّ! إِنْ كُنْتَ فِي مَجْلِسٍ تَرْجُوْ خَيْرَهُ فَعَجِلَتْ بِكَ حَاجَةٌ، فَقُلْ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّكَ تُشْرِكُهُمْ فِيمَا أَصَابُوْا فِي ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَجْلِسُوْنَ مَجْلِسًا فَيَتَفَرَّقُوْنَ عَنْهُ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ، إِلَّا كَأَنَّمَا تَفَرَّقُوْا عَنْ جِيْفَةِ حِمَارٍ.

''اے بیٹے! جب آپ کسی ایسی مجلس میں ہوں جس کی خیر کی آپ کو امید ہو (یعنی مجلس خیر ہو جو علم، ذکر اور قرآن وسنت و دیگر امور خیر کی مجلس ہوتی ہے) اور آپ کو کوئی حاجت پیش آئے تو کہو: ''سلام علیکم'' پس آپ شریک ہو جائیں گے اس ثواب و خیر میں جو ان کو حاصل ہوگا اور جو لوگ ایک جگہ مجلس میں بیٹھے ہوں اور پھر اس حال میں جدا ہو جائیں کہ انھوں نے اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا ہو تو ان کی مثال ایسی ہے کہ گویا یہ لوگ گدھے کی لاش سے اٹھ کر جدا ہوئے۔''

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَإِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ، رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَهُوَ وَإِنْ كَانَ مَوْقُوْفًا فَهُوَ فِي حُكْمِ الْمَرْفُوْعِ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ مِنْ قِبَلِ الرَّأْيِ.

''اس کی سند صحیح ہے اور راوی سب ثقہ ہیں اور یہ اگرچہ موقوف ہے لیکن بحکم مرفوع ہے اس لیے کہ رائے سے ایسی بات نہیں کہی جاتی۔''

ان احادیث میں اس بات کی تعلیم ہے کہ مجلس میں آتے جاتے وقت سلام کیا جائے اور حدیث ثانی میں تو تصریح ہے کہ مجالس خیر (علم وذکر، تعلیم وتعلم وغیرہ) سے جاتے وقت سلام کیا جائے۔

اب حدیث کی رو سے مسلمان کی ہر مجلس ذکر سے خالی نہیں ہونی چاہیے اور الحمد للہ مسلمان اس کو مانتے بھی ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب خیر اور ذکر کی مجلس میں سلام کہنا مکروہ ہے تو کیا شر اور فسق کی مجلس میں سلام کہا جائے ؟ بعض فقہاء نے مجالس فسق کو سلام کہنا مکروہ ہے:

وَلِعَابُ شَطْرَنجٍ وَشِبهٌ بِخُلُقِهِمْ قَالَ ابْنُ عَابِدِيْنَ : وَالْمُرَادُ مَنْ يُشَابِهُهُمْ فِي فِسْقِهِمْ مِنْ سَآئِرِ أَرْبَابِ الْمَعَاصِي كَمَنْ يَلْعَبُ بِالْقِمَارِ أَوْ يَشْرَبُ الْخَمْرَ أَوْ يَغْتَابُ النَّاسَ أَوْ يُطِيرُ الْحَمَامَ أَوْ يُغَنِّي ...... يُكْرَهُ السَّلَامُ عَلَى الْفَاسِقِ وَلَوْ مُعْلِنًا وَإِلَّا لَا.

(رد المحتار:1/456)

''شطرنج کھیلنے والوں کو اور جو ان جیسے ہوں ان کو سلام کہنا مکروہ ہے۔ ابن عابدین کہتے ہیں : ان کے ساتھ مشابہ ہونے سے مراد ان کے ساتھ فسق میں مشابہ ہونا ہے جیسے دیگر ارباب معاصی، جیسے جوا کھیلنے والے ، شراب پینے والے غیبت کرنے والے، کبوتر اڑانے والے، گانا گانے والے اور فاسق معلن ان کو سلام کہنا مکروہ ہے۔''

اب مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک مجالس خیر (ذکر ،تعلیم وتعلم ، قضاء وافتاء) والوں کو سلام کہنا مکروہ ہے اور مجالس شر اور فسق والوں کو بھی ۔ تو اب سلام کہا جائے تو کس کو کہا جائے؟ جب سلام ہر دو قسم کی مجالس والوں کو ممنوع ٹھہرا تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سلام مسلمانوں کے معاشرہ سے کوچ کر جائے گا۔ (یاد رہے کہ اہل فسق کو سلام کہنے کے بارے میں ہماری تحقیق بعد میں آرہی ہے۔)

مؤذن کو سلام کہنا

فقہ حنفی میں ہے کہ مؤذن اور اقامت کہنے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے اسی طرح اس کا جواب دینا بھی مکروہ ہے۔ اور بعد میں جواب دینا واجب نہیں۔

وَيُكْرَهُ رَدُّ السَّلَامِ فِي الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ وَلَا يَجِبُ الرَّدُّ بَعْدَهُ عَلَى الْأَصَحِّ. (فتاوی عالمگیری: 55/1)

لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جو ان کے مدعا پر دلالت کرے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مؤذن کو سلام کہنا مشروع و مسنون ہے اور اس پر وہ دلائل عامہ وخاصہ دلالت کرتے ہیں جو نمازی، قاری اور ذاکر کو سلام کہنے کے مباحث میں گزرے ہیں۔ جب نمازی، قاری اور ذاکر کو سلام کہنا ثابت ہے تو مؤذن بھی ذاکر ہی ہے تو اسے بھی سلام کہنا ثابت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سلام کے بارے میں آمدہ دلائل عامہ سے مؤذن کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا وہ بھی دلائل عامہ کا مصداق و مدلول ہے لہٰذا اسے سلام کہنا مشروع ہے۔ علاوہ ازیں اذان میں کلام کرنا جائز ہے تو سلام کا جواب بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ - وَكَانَ لَهُ صُحْبَةٌ - كَانَ يُؤَذِّنُ فِي الْعَسْكَرِ وَكَانَ يَأْمُرُ غُلَامَهُ بِالْحَاجَةِ فِي أَذَانِهِ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: 212/1)

”سلیمان بن صرد صحابی رضی اللہ عنہ لشکر میں اذان دیا کرتے تھے اور دوران اذان اپنے غلام کو کسی کام کا حکم بھی دیا کرتے تھے۔“

وَرُوِيَ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ لَمْ يَرَ بِالْكَلَامِ فِي الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ بَأْسًا

وَكَانَ عَطَآءٌ وَقَتَادَةُ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ يَتَكَلَّمُونَ فِي الْأَذَانَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: 212/1)

''حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آیا ہے کہ وہ اذان اور اقامت میں کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور عطاء، قتادہ اور عروہ بن زبیر اذان میں باتیں کرتے تھے۔''

اس طرح کی روایات مصنف عبدالرزاق (468/1) میں بھی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے:

بَابُ الْكَلَامِ فِي الْأَذَانِ وَتَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي أَذَانِهِ وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ يَضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ.

''باب ہے اذان میں باتیں کرنے کے بارے میں۔ سلیمان بن صرد نے اذان میں کلام کیا ہے اور حسن نے کہا ہے کہ کوئی حرج نہیں اگر اذان اور اقامت کے دوران ہنس پڑے۔''

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے مسند حدیث ذکر کی:

خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ رَزْغٍ فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ: الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ: فَعَلَ هٰذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ.

(صحیح بخاری: 616)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ کیچڑ والے دن میں خطبہ جمعہ دیا جب مؤذن حیّ علی الصلاۃ پر پہنچا تو اسے حکم دیا کہ کہو: ''نماز گھروں میں پڑھو'' لوگوں نے ایک دوسرے کو حیرت و تعجب سے دیکھا تو فرمایا: یہ کام اس نے

کیا (یعنی رسول اللہ ﷺ) نے جو اس (ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے بہتر ہے اور یہ عزیمت ہے۔"

علامہ عینی حنفی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قَالَ التَّيْمِيُّ: رَخَّصَ الْكَلَامَ فِي الْأَذَانِ جَمَاعَةٌ مُسْتَدِلِّينَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ مِنْهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَنَقَلَ ابْنُ الْمُنْذِرِ الْجَوَازَ مُطْلَقًا عَنْ عُرْوَةَ وَعَطَاءٍ وَالْحَسَنِ وَقَتَادَةَ وَعَنِ النَّخَعِيِّ وَابْنِ سِيرِيْنَ الْكَرَاهَةَ وَعَنِ الثَّوْرِيِّ الْمَنْعَ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَصَاحِبَيْهِ خِلَافَ الْأَوْلٰى وَعَلَيْهِ يَدُلُّ كَلَامُ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ. (عمدة القارى:128/3)

"تیمی نے کہا: ایک جماعت نے اذان کہتے ہوئے باتیں کرنے کی اجازت دی ہے اور اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے ان میں سے احمد بن حنبل ہے اور ابن منذر نے مطلقاً جواز کا قول عروہ، عطاء، حسن اور قتادہ سے نقل کیا ہے، نخعی اور ابن سیرین سے کراہت منقول ہے سفیان ثوری سے ممانعت اور ابو حنیفہ اور صاحبین سے خلاف اولیٰ ہونا (جائز ہے بہتر نہیں) منقول ہے، شافعی اور مالک کا کلام بھی اس پر دال ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کو بھی تسلیم ہے کہ کلام یسیر سے اذان میں کوئی فرق نہیں پڑتا:

وَلَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤَذِّنِ أَنْ يَتَكَلَّمَ فِي الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فَإِنْ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ يَسِيْرٍ لَا يَلْزَمُهُ الْإِسْتِقْبَالُ.

(فتاویٰ عالمگیری: 55/1، خانية على هامش الهنديه:57/1)

"مؤذن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اذان اور اقامت میں باتیں

کرے اور اگر اس نے مختصر بات کی تو اذان دوبارہ لوٹانا لازم نہیں۔''

اور علامہ عینی کی عبارت میں گزرا ہے کہ احناف کے ائمہ ثلاثہ اذان میں باتیں کرنے کے جواز کے قائل ہیں صرف بہتر نہیں مانتے۔

اب اس معمہ کو کون حل کرے گا کہ عام باتیں کرنا تو مؤذن کے لیے جائز ہو اور کسی کے سلام کا جواب دینا مکروہ و ممنوع؟ حالانکہ سلام اور جواب سلام شرعاً مأمور بہ ہیں اور اس سے ثواب متعلق ہے حالانکہ باتیں کرنا نہ شرعاً مأمور بہ ہے اور نہ ہی اس سے ثواب متعلق ہے۔

کھانا کھانے والے کو سلام کہنا

فقہ حنفی میں ہے کہ کھانے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے پھر اس کے بارے میں ان کے ہاں عجیب تفصیلات ہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

مَرَّ عَلٰى قَوْمٍ يَأْكُلُوْنَ إِنْ كَانَ مُحْتَاجًا وَعَرَفَ أَنَّهُمْ يَدْعُوْنَهٗ سَلَّمَ وَإِلَّا فَلَا كَذَا فِي الْوَجِيْزِ لِلْكُرْدَرِي. (الهندية:325/5)

''کسی کا ایسے لوگوں پر گزر ہو جو کھانا کھا رہے ہوں اگر اسے کھانے کی حاجت ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ بلا لیں گے تو سلام کرے اور اگر اسے حاجت نہیں یا حاجت ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ سلام کہنے کے باوجود یہ لوگ اسے کھانے کی دعوت نہیں دیں گے تو پھر سلام نہ کرے۔ اسی طرح وجیز کردری میں ہے۔''

الدر المختار میں ہے:

وَدَعْ آكِلًا إِلَّا إِذَا كُنْتَ جَائِعًا وَتَعْلَمُ مِنْهُ أَنَّهُ لَيْسَ يَمْنَعُ.

(رد المحتار: 456/1)

''اور کھانا کھانے والے کو چھوڑ دو (اسے سلام نہ کرو) مگر یہ کہ تم بھوکے ہو اور تمہیں اس کے بارے میں پتہ ہو کہ وہ تجھے کھانے سے نہیں روکے گا تو پھر سلام کہہ سکتے ہو۔''

بعض نے کہا کہ کھانے والے کو اس صورت میں سلام کہنا مکروہ ہے جب لقمہ منہ میں ہو، نگل رہا ہو یا چبا رہا ہو۔

ابن عابدین لکھتا ہے:

كَآكِلٍ، ظَاهِرُهُ أَنَّ ذٰلِكَ مَخْصُوصٌ بِحَالِ وَضْعِ اللُّقْمَةِ فِي الْفَمِ وَالْمَضْغِ وَأَمَّا قَبْلُ وَبَعْدُ فَلَا يُكْرَهُ لِعَدَمِ الْعِجْزِ وَبِهِ صَرَّحَ الشَّافِعِيَّةُ وَفِي الْوَجِيزِ لِلْكُرْدَرِي: مَرَّ عَلٰى قَوْمٍ...... الخ، مِثْلُ عِبَارَةِ الْهِنْدِيَّةِ وَهٰذَا يَقْضِي بِكَرَاهَةِ السَّلَامِ عَلَى الْآكِلِ مُطْلَقًا إِلَّا فِيْمَا ذَكَرَهُ. (رد المحتار: 295/5)

''کھانے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے اس لفظ کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب لقمہ اس کے منہ میں ہو اور چبانے کی حالت میں ہو اور اس سے پہلے یا بعد میں مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ اب عجز نہیں رہا، شافعیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، لیکن ''وجیز کردری'' میں ہے کہ اگر ایسے لوگوں پر گزرا جو کھانا کھا رہے ہیں، اگر اسے کھانے کی حاجت ہے اور جانتا ہے کہ (سلام کہنے کے بعد) یہ لوگ اسے کھانے پر بلا لیں گے تو سلام کہہ دے ورنہ نہ کہے، اور یہ ایک فیصلہ کن بات ہے کہ کھانے

والے کو بہر حال سلام کرنا مکروہ ہے خواہ لقمہ منہ میں ہو چبا رہا ہو یا نہیں۔"

یعنی کھانے پر جمع لوگوں کو سلام کہنا مکروہ ہے الا یہ کہ وہ بھوکا ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ سلام کہنے کی صورت میں وہ لوگ کھانے کی دعوت دے دیں گے۔

یہ ہے کھانا کھانے والے کو سلام کے بارے میں حنفی مسلک جس کی کمزوری اور ضعف خود مسئلہ کے مندرجات سے نہایت نمایاں ہے، ان حضرات کے پاس اپنے اس مسئلے پر قرآن و سنت سے ایک بھی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس یہ مسئلہ قرآن و سنت سے یکسر مخالف ہے، حق یہ ہے کہ کھانا کھانے والے کو سلام کہنا بلا شک و شبہ مشروع و مسنون ہے اور اس پر وہ دلائل دال ہیں جن کا ذکر نمازی، قاری اور ذاکر کو سلام کہنے کے مباحث میں گزر چکا ہے ان کا یہاں دوبارہ ذکر کرنا باعث تطویل ہے۔

علاوہ ازیں سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سلام اور جوابِ سلام کو پھیلانے اور عام کرنے کا حکم دیا:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾﴾ -[النساء: 4: 86]

"اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔"

أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ.

إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ.

ان آیات و احادیث وغیرہ کے بعد پھر کب اور کہاں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کھانا کھانے والے کو سلام کہنے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ حالانکہ صحابہ و تابعین کا عمل تو وہ ہے جسے نافع نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان کیا ہے، وہ کہتے

ہیں: کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مدینہ سے باہر تھے، ساتھیوں نے کھانا تیار کیا اور دسترخوان پر لگایا، ہم کھانے لگے وہاں ایک چرواہا گزرا، اس نے سلام کیا، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے بھی کھانے کی دعوت دی مگر اس نے کہا میرا روزہ ہے۔

(طبراني، بيهقي في شعب الايمان، سير أعلام النبلاء:216/3)

حضرات احناف نے لکھا ہے کہ کھانے والے کو سلام کہنا مکروہ و ممنوع ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسے مکروہ نہیں کہا ہے، معلوم نہیں انھوں نے کراہت کہاں سے نکالی ہے؟ پھر کہتے ہیں کہ ہاں اگر تجھے بھوک لگی ہے تو سلام کہہ سکتے ہو اور یہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ تمھیں یہ علم ہو کہ سلام کرنے سے وہ تجھے دعوتِ طعام دے دیں گے اور کھانے میں شامل کرلیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر بھوک نہیں لگی ہے کھانے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے۔ بھوک لگی ہے اور خیال یہ ہے کہ سلام کہنے کی صورت میں کھانے والا سمجھ جائے گا کہ یہ بھوکا ہے اور کھانے کی دعوت دے دے گا تو پھر سلام کہنا جائز ہے اور اگر بھوک لگی ہے اور عدم واقفیت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کھانا کھانے والا سلام کہنے کے باوجود دعوت نہیں دے گا تو پھر بھی سلام کہنا مکروہ ہے۔ فقہائے احناف کے یہی وہ غیر ذمہ دارانہ اقوال ہیں جن سے سلام کو، جو حکم الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور باہمی محبت، آشتی اور اتفاق کی بنیاد ہے اور وہ عمل صالح ہے جس پر بیک وقت تیس نیکیاں ملتی ہیں، بھوک اور سوال کا جملہ بنا دیا گیا یعنی اگر تجھے بھوک لگی ہے اور لوگوں کی سخاوت کی امید ہے تو ان فقہائے کرام کی ڈکشنری میں اس سوال اور بھیک مانگنے کے لیے ایک جدید لفظ تیار کیا گیا ہے اور وہ ہے: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'' اس سے کھانے والے فوراً سمجھ جائیں گے کہ بھوکے آ گئے، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ تو آپ کو کھانا مل جائے گا اور آپ سیر

ہو کر کھا لیں گے۔

دیکھیے کس قدر غیر ذمہ دارانہ طرز عمل سے محبت، اخوت اور سلامتی کے الفاظ کو بھیک مانگنے کا جملہ بنایا گیا جس سے سلام اس موقعہ پر تقریباً متروک ہو گیا، اور یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی حنفی اس لفظ کو اس موقعہ پر استعمال نہیں کرتا اور بارہا مشاہدہ ہوا ہے کہ ایک حنفی عین کھانے کے وقت آتا ہے اسے بھوک بھی لگی ہے اور کھانے والے دعوت دینے کو تیار ہوتے ہیں لیکن وہ پھر بھی سلام نہیں کرتا اس لیے کہ اس صورت میں تو سلام کہنا بھیک مانگنا ہے اور اس طریقے سے وہ سلام سے محروم جاتے ہیں باوجود یہ کہ اس وقت بھی کھانے والے اس کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں اور وہ اسی وقت ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا شروع کر دیتا ہے یا ان کے کھانے کے بعد، لیکن آتے وقت اس نے سلام صرف اس وجہ سے نہیں کیا کہ یہ تو سوال ہے، ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح یہ لوگ فاسد آراء کی پیروی کی وجہ سے سلام سے محروم ہو گئے۔

بعض نے کہا کہ سلام تو صرف اس وقت مکروہ ہے جب لقمہ منہ میں ہو چبا رہا ہو یا نگل رہا ہو۔ احناف کے ہاں یہ قول معتمد اور اصل نہیں ہے۔ اصل اور معتمد قول پہلا ہی ہے جیسا کہ ردالمختار کے حوالے سے گزرا، لیکن مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کے متعلق بھی تھوڑا سا کلام کریں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اس حالت میں سلام کرنا مکروہ ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے تو نہ ہی اسے مکروہ کہا ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تو سلام کے افشاء اور پھیلانے کا حکم دیا ہے اور یہ حالت بھی اس میں شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ واضح کیا جائے کہ اس دوران عام باتیں کرنا کیسا ہے کیا وہ بھی مکروہ ہے؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ جب لقمہ منہ میں ہو، چبارہا ہو تو کیا اس وقت بندہ کلام کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے؟

عام مشاہدہ اور تجربہ تو یہ ہے کہ لوگ کھانا کھا رہے ہوتے ہیں اور باتیں بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ حقیقتاً تو عاجز نہیں ہوتے اور اگر تم کہتے ہو کہ حقیقتاً عاجز ہوتے ہیں تو فقہ حنفی کی کتابوں میں تو لکھا ہے کہ حالت اکل (کھانا کھاتے ہوئے) خاموش رہنا مکروہ ہے اور ممنوع ہے، بلکہ یہ مجوس کی عادت ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

وَيُكْرَهُ السُّكُوتُ حَالَةَ الْأَكْلِ لِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِالْمَجُوسِ وَيَتَكَلَّمُ بِالْمَعْرُوفِ. (ردالمحتار:239/5)

"کھانا کھاتے وقت خاموش رہنا مکروہ ہے اس لیے یہ مجوسیوں کے ساتھ تشبیہ ہے۔ بلکہ اچھی باتیں کرنی چاہئیں۔"

سبحان اللہ! ایک طرف تو لکھا جاتا ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے سلام کہنا، جواب سلام دینا مکروہ ہے تو دوسری طرف خاموش رہنا بھی مکروہ ہے اور اچھی باتیں کرنے کا حکم بھی دے رہے ہیں کیا سلام اور جوابِ سلام اچھی باتوں میں شامل نہیں ہو سکتا؟

این چہ بو العجبی است

سلام اور جواب سلام جس کا حکم شریعت نے دیا ہے کھانے کے وقت مکروہ ہو لیکن عام باتیں نہ کرنا مکروہ۔ حالانکہ عام باتیں کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے سلام کے ساتھ اس طرزِ عمل کو کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

حنفی بھائیو! یہ بتاؤ کیا لقمہ منہ میں سال بھر رہتا ہے جس کی وجہ سے جواب سلام

میں تاخیر ہو جاتی ہے اور کیا کھانا کھانے والے سب بیک وقت مشینی انداز میں لقمہ منہ میں رکھتے ہیں اور چباتے ہیں۔ اللہ کے بندو! اگر آنے والے نے سلام کہہ دیا تو اگر ایک کے منہ میں لقمہ ہے اور تھوڑی سی تاخیر ہو رہی ہے تو جس کے منہ میں لقمہ نہیں ہے وہ سلام کا جواب دے دے جس سے سب کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر کھانا کھانے والا ایک ہے اور اس کے منہ میں لقمہ ہے یا زیادہ ہیں اور ہر ایک کے منہ میں لقمہ ہے تو لقمہ سالہا سال منہ میں نہیں رہتا بلکہ سیکنڈوں میں نگلا جاتا ہے، نگل لینے کے بعد سلام کا جواب دیا جائے اور یہ اتنی تاخیر نہیں ہے جس سے جوابِ سلام کا وقت فوت ہو جائے۔ بلکہ احادیث میں یہ بات ثابت ہے کہ اس سے بھی زیادہ تاخیر کے بعد سلام کا وقت فوت نہیں ہوتا اور اس سے زیادہ تاخیر ہو جائے تب بھی جوابِ سلام دینا لازم ہے۔

ابو الجہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى أَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. (صحيح بخاري:1337، صحيح مسلم:822)

”نبی ﷺ بئر جمل کی طرف سے آئے راستے میں ایک آدمی ان سے ملے اس نے نبی ﷺ کو سلام کہا نبی ﷺ نے جواب نہیں دیا یہاں تک کہ دیوار کو متوجہ ہوئے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر کے تیمم کیا پھر اس آدمی کے سلام کا جواب دیا۔“

اور آپ کا یہ جواب تاخیر سے تھا۔

کیا لقمہ نگلنے میں اس سے بھی زیادہ تاخیر ہوتی ہے اندازہ خود لگائیں اور حقیقت یہ ہے کہ لقمہ منہ میں ہو تب بھی باتیں کرنا اور سلام کا جواب دینا واقع بھی ہے اور اس سے

بندہ کلام سے عاجز نہیں ہو جاتا: سلام کے متعلق بخل کا رویہ اپنانا درست نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَبْخَلُ النَّاسِ الَّذِي يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ».

(رواه البخاري في الأدب المفرد وهو حديث صحيح قاله الألباني في صحيح الأدب المفرد: 795، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 601)

''لوگوں میں سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام کے ساتھ بخل کرے۔''

اور نہ ہی سلام کے بارے میں یہودی روش اختیار کرنا درست ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ حُسُدٌ لَا يَحْسُدُونَنَا عَلٰى شَيْءٍ كَمَا عَلَى السَّلَامِ وَعَلٰى آمِينَ». (سلسلة الأحاديث الصحيحة:691)

''یہودی بہت ہی زیادہ حاسد قوم ہے اور یہ جس قدر حسد ہمارے ساتھ سلام اور آمین کہنے کی وجہ سے کرتے ہیں اس قدر حسد وہ کسی دوسری چیز کے بارے میں نہیں کرتے۔''

بچوں کو سلام کہنا اور ان کے سلام کا جواب دینا

حنفیہ کے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ بچوں کو سلام نہیں کہا جائے گا اور اگر بچے سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

عالمگیری میں ہے:

اِخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ قَالَ بَعْضُهُمْ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ. (فتاوى هندية: 325/5)

''بچوں کو سلام کہنے کے بارے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا: ان کو سلام نہیں کیا جائے گا۔''

ابن عابدین نے وہ اشعار نقل کیے ہیں جن میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے سلام کا جواب نہیں ہے:

رَدُّ السَّلَامِ وَاجِبٌ إِلَّا عَلٰی
مَنْ فِي الصَّلَاةِ أَوْ بَاكِلٍ شَغَلَا
أَوْ سَلَّمَ الطِّفْلُ أَوِ السَّكْرَانُ
أَوْ شَابَّةٌ يُخْشٰی اِفْتِتَانٌ.

(رد المحتار:457/1)

''سلام کا جواب دینا واجب ہے مگر اس شخص پر جواب دینا واجب نہیں جو نماز میں ہے یا کھانے میں مشغول ہے یا بچہ سلام کرے یا مدہوش یا جوان عورت جس کے فتنے کا خوف ہو۔''

ابن عابدین نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ جہاں جہاں انھوں نے سلام کہنا ناجائز لکھا ہے وہاں پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے:

وَمَفَادُهٗ أَنَّ كُلَّ مَحَلٍ لَا يُشْرَعُ فِيهِ السَّلَامُ لَا يَجِبُ رَدُّهٗ.

''لیکن حق یہ ہے کہ بچوں کو سلام کہنا مشروع و مسنون ہے اور ان کے سلام کا جواب دینا لازمی ہے۔''

امام بخاری و مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّهٗ مَرَّ عَلٰی صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَفْعَلُهٗ.

(صحیح بخاری:6247، صحیح مسلم:5663)

''انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا: نبی ﷺ کا یہ عمل تھا۔''

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ۔[الأحزاب: 21:31]

''تحقیق تمھارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں عمل کے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔''

عنبسہ ابن عمار نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُسَلِّمُ عَلَى الصِّبْيَانِ فِي الْكُتَّابِ.

(صحيح الأدب المفرد: 398)

''میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ مکاتب میں بچوں کو سلام کیا کرتے تھے۔''

سلام کے متعلق دلائل عامہ اور دلائل خاصہ بچوں کو سلام کہنے کی مشروعیت و مسنون ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں آیت کریمہ

﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾﴾ ۔[النساء: 4: 86]

''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اس بات پر واضح دلالت ہے کہ سلام جس شخص کی طرف سے ہو اس کا جواب دینا ضروری ہے خواہ وہ بچہ ہی ہو۔ اس سلسلے میں راستے میں سلام کے متعلق آداب نبوی سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ» ۔ (صحيح بخاری:6231)

''چھوٹا بڑے کو سلام کرے گا اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ کو۔''

اس میں تصریح ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے اور اس میں صغر سے مراد صغر سنی، نسبی ہے اور صغر حقیقی اس کا ایک فرد ہے۔ بچوں کو سلام کہنے میں اور ان کے سلام کا جواب دینے میں یہ فائدہ بھی ہے کہ آداب شریعت کے بارے میں ان کی تربیت و تدریب ہوتی ہے اور سنتوں کے جاننے اور یاد کرنے کی بہترین مشق ہے، اگر بچوں کو سلام نہ کیا جائے اور ان کے سلام کا جواب نہ دیا جائے تو وہ کس طرح اس عظیم سنت سے آشنا ہو سکیں گے اور کس طرح اس کے عادی بنیں گے؟

جب سے لوگ ان متفقہین کی باتوں میں آکر اس عظیم سنت کو چھوڑ بیٹھے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ یہی چھوٹے بڑے ہو کر بھی سلام سے ہمیشہ کے لیے محروم رہتے ہیں۔

فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى مِنْ صَنِيْعِ هٰؤُلَاءِ الْمُتَفَقِّهَةِ.

عورتوں کو سلام کہنا

مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کہنا جائز اور مشروع ہے:

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

مَرَّ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ فِي نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا.

(**حسن**: سنن أبي داود: 5203، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 833)

''نبی ﷺ کا ہم چند عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے ہمیں سلام کیا۔''

اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ.

(صحيح بخاری: 6158، صحيح مسلم: 336؛ الأدب المفرد: 1045)

''میں فتح مکہ والے دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ غسل فرما رہے تھے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کپڑے سے پردہ کیا ہوا تھا، پس میں نے آ کر آپ کو سلام عرض کیا۔''

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے محلے میں ایک (بوڑھی) عورت تھی وہ چقندر کی جڑیں لیتی اور انہیں ہانڈی میں ڈالتی (پکاتی) اور جَو کے کچھ دانے پیستی.

فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ وَانْصَرَفْنَا نُسَلِّمُ عَلَيْهَا، فَتُقَدِّمُهُ إِلَيْنَا.

(صحيح بخاری: 6248)

''جب ہم جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آتے اسے سلام کرتے: تو وہ یہ کھانا

ہمارے سامنے پیش کرتی۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کو اور عورت مرد کو سلام کر سکتی ہے، مذکورہ احادیث ائمہ محدثین نے بھی یہی سمجھا ہے اور اسی کو انھوں نے بیان کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بَابُ السَّلَامِ عَلَى النِّسَآءِ ، امام نسائی رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّسْلِيمِ عَلَى النِّسَاءِ "یعنی عورتوں کو سلام کہنے کا باب" قائم کیا ہے۔

بعض لوگ عورتوں کو سلام کہنا مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں بعض جوان اور بوڑھی کا فرق کرتے ہیں لیکن یہ باتیں مذکورہ احادیث اور دیگر نصوص کے خلاف ہیں اور اس لیے بھی کہ اصل جواز ہے اور افشاء سلام کی حدیثوں کے تحت یہ صورتیں بھی آتی ہیں (اور دیکھئے حاشیہ الأدب المفرد للألباني رحمہ اللہ: 1047 کے تحت) بعض لوگ فتنے کا بہانہ بنا کر مرد عورت کے سلام کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، یہ بھی ایک موہوم اور خود ساختہ صورت ہے۔ سلام جب مسنون سلام ہو اور اپنی حد تک ہو تو اس سے فتنے پیدا نہیں ہوتے۔ حاجت وضرورت کے وقت مرد عورت سے اور عورت مرد سے بات کر سکتی ہے اس پر تمام کا اتفاق ہے تو ایسی صورت میں سلام کرنا بھی درست ہے اس کے علاوہ صورتوں میں سلام خود ایک شرعی ضرورت ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا درست ہے۔ باقی إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ (بخاری) عملوں کا اعتبار نیتوں سے ہے۔اور ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (قٓ: 18) انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔

خلاصہ یہ کہ مرد عورت کو اور عورت مرد کو سلام کر سکتی ہے۔ یاد رہے کہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کو سلام کہنا اور محارم عورتوں مردوں کا ایک دوسرے کو سلام کہنا بالاتفاق جائز

ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، بعض لوگ گھر آتے وقت اپنے گھر والوں بیوی، اولاد کو سلام نہیں کہتے، اسی طرح بعض عورتیں اپنے شوہروں کو جوابِ سلام اور خوش آمدید تک نہیں کہتیں، یہ سب خلافِ شرع کام ہیں۔

البتہ یہ بات یاد رہے کہ اجنبی غیر محارم عورتوں سے مصافحہ کرنا، ہاتھ ملانا نبی ﷺ کا طریقہ نہیں تھا۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّیْ لَا أُصَافِحُ النِّسَآءَ»۔ (**صحیح**: سنن النسائی:4186)

میں (اجنبی غیر محرم) عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

قاضی، مفتی، حاکم، استاذ، مدرس، فقہ کا مطالعہ کرنے والا، محدث، خطیب، فقہ کا تکرار کرنے والا، اور ان کو سننے والا

فقہ حنفی کے مطابق ان سب کو سلام کہنا مکروہ ہے۔

صاحب رد المحتار تشریح فرما رہے ہیں:

سَلَامُكَ مَكْرُوْهٌ عَلٰى مَنْ سَتَسْمَعُ ...... مُصَلٍّ وَتَالٍ ذَاكِرٍ وَمُحَدِّثٍ......

وَالظَّاهِرُ أَنَّهٗ أَعَمُّ فَيُكْرَهُ السَّلَامُ عَلٰى مُشْتَغِلٍ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِأَيِّ وَجْهٍ كَانَ (خَطِيْب) يَعُمُّ جَمِيْعَ الْخُطَبِ (وَمَنْ يُصْغِيْ إِلَيْهِمْ وَ يَسْمَعُ أَيْ مَنْ ذُكِرَ وَ لَوْ إِلَى الْمُصَلِّيْ إِذَا جَهَرَ وَهُوَ دَاخِلٌ فِي التَّالِيْ ـ (مُكَرِّرِ فِقْهٍ) أَيْ لِيَحْفَظَهٗ أَوْ يَفْهَمَهٗ (جَالِسٌ لِقَضَآئِهِ) قَاسَ بَعْضُ مَشَآئِخِنَا الْوُلَاةَ وَالْأُمَرَآءَ عَلَى الْقَاضِيْ......وَمُقْتَضٰى هٰذَا أَنَّ الْخُصُوْمَ إِذَا دَخَلُوْا عَلَى الْمُفْتِيْ لَا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ تَأَمَّلْ

وَمَنْ بَحَثُوا فِي الْفِقْهِ. (رد المحتار: 1/ 455،456، فتاوى هندية: 5/325)

حالانکہ قرآن وسنت میں کہیں پر بھی ان لوگوں کو سلام کہنے کی کراہت ذکر نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس قرآن وسنت کی متعدد نصوص سلام کے افشاء، پھیلانے اور عام کرنے کی ترغیبات پر مشتمل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ خود قاضی، مفتی، حاکم، استاد، مدرس، محدث، اور خطیب تھے لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپ سے ملتے تو سلام کہا کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ سلام کے افشاء اور عام کرنے کے بارے میں نبوی ارشادات کے بعد کب اور کس حدیث میں مذکورہ اشخاص مستثنیٰ کیے گئے ہیں؟ یہ عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں، اپنی جگہ میں تشریف فرما ہیں، علی وعباس رضی اللہ عنہما کے درمیان باغ فدک کے متعلق اختلاف ہے، ان کے درمیان اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے عثمان، عبدالرحمٰن، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم سفارش کے لیے امیر المومنین کے پاس آتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ کا حاجب ''یرفا'' امیر المومنین حاکم وقت اور قاضی سے عرض کرتا ہے:

هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ يَسْتَأْذِنُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ ، فَأَذِنَ لَهُمْ ، فَدَخَلُوا وَسَلَّمُوا فَجَلَسُوا، ثُمَّ لَمْ يَلْبَثْ قَلِيلًا فَقَالَ لِعُمَرَ: هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمَا فَلَمَّا دَخَلَا سَلَّمَا وَجَلَسَا فَقَالَ عَبَّاسٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا، فَقَالَ الرَّهْطُ عُثْمَانُ ، وَأَصْحَابُهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! اقْضِ بَيْنَهُمَا وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ.

''کیا عثمان، عبدالرحمٰن، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم کو آنے کی اجازت ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی، وہ لوگ آئے اور سب سلام کر کے بیٹھ گئے پھر تھوڑی دیر بعد علی وعباس رضی اللہ عنہما آئے، ان کو بھی اجازت مل گئی، وہ آئے اور دونوں

نے سلام کیا اور بیٹھ گئے، عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! ہمارے درمیان آپ فیصلہ کریں۔ عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں نے بھی کہا: امیر المومنین! ان دونوں کا فیصلہ فرمائیں اور ان کو ایک دوسرے سے بے فکر کر دیں۔''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ حاکم اور قاضی کو آنے والوں نے اور خصمین نے سلام کیا، ثابت ہوا کہ فقہائے احناف کا مذکورہ موقف غلط اور بلا دلیل ہے۔

وعظ، تقریر اور خطبہ کے دوران سلام کہنا اور اس کا جواب دینا

تقریر و خطبہ کے دوران سلام کہنا اور حاضرین کا جواب دینا بلا شبہ مشروع اور درست ہے اور اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مجلس میں آنے اور مسلمان کے ساتھ ملاقات ہو جانے کے وقت سلام کہنے کا حکم ہے:

«إِذَا انْتَهٰى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ. (مسند احمد، ابو داود)

''جب تم میں سے کوئی شخص مجلس میں آئے تو سلام کہے۔''

«إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ». (صحیح مسلم : 5651)

''جب تیری اس سے ملاقات ہو تو اسے سلام کہہ۔''

«أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ». (صحیح مسلم)

''آپس میں سلام کو عام کرو۔''

اور موطأ امام مالک کی حدیث جو ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ نَفَرٌ ثَلَاثَةٌ ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ

فَلَمَّا وَقَفَا عَلٰى مَجْلِسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَلَّمَا.

(صحیح بخاری:5358؛ مؤطا للإمام مالك:2/358)

”دریں اثناء کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ تین آدمی آئے دو رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے اور ایک چلا گیا، جب وہ دونوں مجلس کو پہنچے تو دونوں نے سلام کہا۔“

یہ ایک وعظ و تعلیم کی مجلس تھی ، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری کتاب العلم میں ایک حدیث پر ترجمۃ الباب بَابُ الْقِرَآءَةِ وَالْعَرْضِ عَلَى الْمُحَدِّثِ محدث پر حدیث کا پیش کرنا اور پڑھنا قائم کیا ہے۔

تو مذکورہ نصوص عام ہیں اور عام کے عموم پر عمل ہوگا مگر یہ کہ تخصیص کی کوئی دلیل ملے جو یہاں نہیں ہے ، اسی طرح حاضرین کا جواب دینا بھی درست ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾﴾ -[النسآء: 4: 86]

”اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔“

کیا خطبہ جمعہ کے دوران سلام کہنا جائز ہے؟

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے ،بعض علماء نے مذکورہ بالا نصوص کے عموم کے پیش نظر خطبۂ جمعہ کے دوران سلام اور جواب سلام کو جائز کہا ہے۔

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا: دوران خطبہ خاموشی فرض ہے لیکن سلام کہنا اور سلام

کا جواب دینا درست ہے۔ (محلی لابن حزم: 268/3)

اسی طرح کا قول ابو یوسف، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ سے بھی منقول ہے۔ (تحفۃ الأحوذي:58/3)

بعض دیگر علماء نے حدیث:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ». (صحیح بخاری:934، صحیح مسلم:851)

''جب تم نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا: خاموش ہو جا اور امام خطبہ دے رہا ہو تو یقیناً تو نے لغو کام کیا۔''

اور اس معنیٰ کی دیگر حدیثوں کے عموم کے پیش نظر دوران خطبۂ جمعہ سلام اور جواب سلام کو ناجائز کہا ہے۔

یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے اور حنفیہ کے بعض ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔

(تحفۃ الأحوذي:58/3، المجموع:524/4)

شیخ البانی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (تمام المنۃ ص 339)

عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ جوابِ سلام آہستہ سے دل میں دے، لیکن انھوں نے ابتداء سلام کہنے کے بارے میں کچھ واضح نہیں کہا ہے۔ دیکھئے: تحفۃ الاحوذی (58/3) بعض دیگر نے کہا: سلام کہنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی نے سلام کہا تو سامعینِ خطبہ اشارے سے جواب دیں۔ (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ:243/8)

یہ دونوں قول عجیب ہیں اور اس بارے میں کوئی واضح دلیل نہ قائلین نے پیش کی ہے اور نہ ہی ہمارے علم میں ہے۔ البتہ دورانِ خطبہ آنے والا شخص اور خطبہ سننے والا جیسا کہ امام کے ساتھ بات کر سکتا ہے اسی طرح اسے سلام بھی کہہ سکتا ہے اور امام کے لیے

جوابِ سلام اور کلام دونوں درست ہیں۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جَآءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ: «أَصَلَّيْتَ يَا فُلَانُ!» فَقَالَ: لَا، قَالَ: «قُمْ فَارْكَعْ».

(صحيح بخاری: 127/1، قديمی كتب خانه كراچی)

''ایک آدمی آیا اور نبی ﷺ جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے، آپ نے اس سے پوچھا اے فلاں! تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو پڑھ۔''

اسی طرح انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے:

قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا.

''کہ ایک دیہاتی شخص کھڑا ہو کے کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! مال مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور اہل واولاد بھوکی ہے آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا مانگیں۔ تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کے دعا مانگی۔''

سائل کے سلام کا جواب دینا

علامہ حصکفی حنفی الدر المختار میں فتاویٰ قاضی خان سے نقل فرماتے ہیں:

وَلَا يَجِبُ الرَّدُّ سَلَامَ السَّآئِلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلتَّحِيَّةِ. (رد المحتار: 293/5)

''سائل کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے اس لیے کہ یہ سلام تحیہ کے لیے نہیں ہے۔''

عالمگیری میں ہے:

اَلسَّآئِلُ إِذَا سَلَّمَ لَا يَجِبُ رَدُّ سَلَامِهٖ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ ، اَلسَّآئِلُ إِذَا أَتٰى بَابَ دَارِ إِنْسَانٍ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ لَا يَجِبُ رَدُّ السَّلَامِ عَلَيْهِ. (فتاویٰ عالمگیری: 325/5)

"سائل جب سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، اسی طرح خلاصہ میں ہے۔ سائل جب کسی کے گھر کے دروازے پر آ کر "السلام علیکم" کہے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔"

یہ محتاجی اور غریبی کا صلہ ہے کہ اب اس کا سلام بھی قابلِ جواب نہیں ٹھہرا اور فقہائے کرام کے اس مسئلے کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ افسران بالا، مال دار، خوانین، جاگیردار اور وڈیرے وغیرہ جو محتاج لوگوں کے سلام کا جواب قدرے نہیں دیتے ہیں، ان پر کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ وہ مسئلہ فقہیہ پر عمل پیرا ہیں۔

میرے بھائی! کیا اس طرح کے مسائل طبقاتی اونچ نیچ کو مذہبی بنیادیں نہیں فراہم کرتے؟ اور اسلام کی بدنامی کا باعث نہیں بنتے؟ باوجودیکہ اسلام میں اس طرح کے مسائل کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

ہم بصد آداب برادران احناف سے گزارش کرتے ہیں کہ قرآن وسنت کی نص کی بنیاد پر یہ مسئلہ لکھا گیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم:

﴿وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوْهَا ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾ ۔[النساء: 4: 86]

"اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھی الفاظ کو لوٹا دو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان:

«أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ». (مسلم، ترمذي)

''اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔''

اس حدیث کے عموم وشمول سے سائل کو کس نے نکالا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تو نہیں نکالا ہے، تو تشریع کا اختیار اور کس کے پاس ہے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَمْسٌ تَجِبُ لِلْمُسْلِمِ عَلٰى أَخِيْهِ: رَدُّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ».

(صحیح مسلم:5650)

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی پر پانچ حقوق واجب ہیں: سلام کا جواب دینا، چھینک آنے والوں کو جواب دینا، دعوت قبول کرنا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے پر جانا۔''

بتائیے سائل اور محتاج مسلمان نہیں ہیں؟ کہ اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے؟ دین تو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اگر یہودی، نصرانی بھی سلام کرے تو اس کا بھی جواب دیا جائے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ».

(صحیح بخاری:6258، صحیح مسلم:2163)

''جب اہل کتاب تمھیں سلام کریں تو جواب میں ''وعلیکم'' کہو۔''

لیکن ایک سائل جو مسلمان ہے لیکن محتاج ہے وہ یہودی، نصرانی سے بھی گیا گزرا

ہے کہ اس کے سلام کا جواب بھی ضروری نہیں سمجھا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سائل کے بارے میں فرمایا:

﴿وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾﴾ -[الضحى:93: 10]

''اور جو سائل ہے اسے مت جھڑک۔''

﴿وَفِيٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾﴾ - [الذاريات: 51: 19]

''اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم لوگوں کا حق ہے۔''

بار بار آنے جانے اور بار بار ملاقات ہو جانے کی صورت میں سلام کہنا ضروری ہے

رسول کریم ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ سلام کو عام کیا جائے اور جب بھی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو اسے سلام کیا جائے۔ خواہ یہ ملاقات کئی بار کیوں نہ ہو۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ''مسيء الصلاة'' مروی ہے: ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا نبی ﷺ مسجد کے ایک طرف (کونے) میں بیٹھے ہوئے تھے، اس نے نماز پڑھی اور پھر آیا نبی ﷺ کو سلام کیا، نبی ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا:

«اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ».

''واپس جا نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔''

تین بار ایسے ہوا وہ شخص آتا سلام کرتا نبی ﷺ سلام کا جواب دیتے اور پھر دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیتے:

«أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، فَصَلّٰى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَآءَ فَسَلَّمَ ، فَقَالَ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ».

(صحيح بخاری: 6251)

''ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے، اس شخص نے نماز پڑھی، پھر آ کر آپ کو سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے اُسے فرمایا: وعلیک السلام واپس جا اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی چنانچہ وہ شخص واپس گیا اور اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وعلیک السلام واپس جا اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔''

اس مسئلے پر نہایت صریح نص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ ، فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ، أَوْ حَجَرٌ ، فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ أَيْضًا».

(**صحيح:** سنن أبي داود: 5200)

''جب تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے پس اگر ان دونوں کے درمیان کوئی، درخت، دیوار یا پتھر حائل اور آڑ بن جائے اور پھر ملاقات ہو جائے تو پھر بھی اسے سلام کرے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر کس طرح عمل کرتے تھے، مصنف ابن ابی شیبہ کا عنوان ہے:

اَلرَّجُلُ يُسَلِّمُ عَلَى الرَّجُلِ كُلَّمَا لَقِيَهُ.

''ایک شخص دوسرے کو سلام کرے گا جب بھی اور جتنی بار بھی اس سے ملے۔''

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ زَكَرِيَّا فِي أَرْضِ الرُّوْمِ فَبَالَت دَابَّتِيْ فَقَامَتْ ، فَبَالَتْ فَلَحِقْتُهُ ، فَقَالَ: أَلَا سَلَّمْتَ؟ فَقُلْتُ: إِنَّمَا فَارَقْتُكَ الْآنَ قَالَ: وَإِنْ فَارَقْتَنِي الْآنَ ، كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَتَسَايَرُوْنَ فَتَفَرَّقُ بَيْنَهُمُ الشَّجَرَةُ فَيَلْتَقُوْنَ فَيُسَلِّمُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ. (مصنف ابن أبی شیبه:137/6)

''میں ارض روم میں عبداللہ بن زکریا رحمہ اللہ کے ساتھ جا رہا تھا، میری سواری پیشاب کے لیے رکی، اس کے پیشاب کرنے کے بعد میں ان سے آ ملا تو انھوں نے مجھے کہا: کہ تم نے (آ کر) سلام کیوں نہیں کیا؟ میں نے کہا: ابھی ہی تو میں آپ سے جدا ہو گیا تھا، آپ نے کہا: خواہ ابھی ہی کیوں جدا نہ ہوئے ہو (تجھے پھر بھی سلام کرنا چاہیے تھا) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام ایسے تھے کہ وہ راستے میں چل رہے ہوتے تھے اگر راستے میں کوئی درخت آ کر ان کو ایک دوسرے سے جدا کر لیتا تو دوسری طرف ملنے کے بعد پھر بھی ایک دوسرے کو سلام کہتے تھے۔''

لیکن آیئے فقہ حنفی کے مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں؟ فقہ حنفی کی معروف کتاب ''احسن الفتاویٰ'' (143/8 اردو) میں تحریر ہے:

سوال:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَيُسَلِّمْ عَلَيْهِ». (رواہ ابو داود، مشکوٰۃ: 399/2)

اسی طرح ہے جب کہ ابوداود میں فَلْيُسَلِّمْ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی مرتبہ بھی کوئی دیوار حائل ہو پھر آمنا سامنا ہو تو ہر مرتبہ سلام کہنا چاہیے۔ کیا یہ درست ہے؟ بَيِّنُوا تُوجَرُوا.

جواب:

اَلْجَوَابُ بِاسْمِ مُلْهِمِ الصَّوَابِ:

یہ حکم احیاناً پیش آنے والی صورت پر محمول ہے، جہاں بار بار یہ صورت پیش آتی ہو مثلاً کوئی مخدوم کے کمرے میں بار بار آتا جاتا رہتا ہے تو اس میں تکرار سلام و جواب میں حرج ظاہر ہے اس لیے یہ صورت حدیث سے مستثنیٰ ہے۔ (احسن الفتاویٰ:143/8)

اب ہم اللہ کے فضل سے ان دعووں کا جائزہ لیتے ہیں جن سے ان شاء اللہ قارئین کو دعووں کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

پہلا دعویٰ:

''یہ حکم احیاناً پیش آنے والی صورت پر محمول ہے۔''

ہم پوچھتے ہیں کہ اس حکم کو کس نے حمل کیا ہے، جناب کے حمل کرنے کا تو اعتبار نہیں اس حمل پر دلیل کیا ہے؟ قرآن وسنت میں تو احیاناً کا ذکر نہیں ہے اور 'إِذَا' ظرف زمان ہے کہ جس وقت بھی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو انھیں سلام کرو۔ اگر شجر ،حجر اور جدار حائل ہو جائیں تو اس کے ہٹنے اور پھر ملنے کی صورت میں دوبارہ سلام کرو۔ صحابہ کرام نے بھی یہی سمجھا اور تابعین بھی اسی پر چلتے رہے، حدیث کے واضح الفاظ صحابہ کرام کی فہم وطرز عمل اور تابعین کا اس کے مطابق عمل، ان سب باتوں کے برعکس آپ حضرات جس ڈگر پر چل رہے ہیں، اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟ حاصل یہ کہ مذکورہ دعویٰ محض دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

دوسرا دعویٰ:

یہ ہے کہ بار بار آنے جانے کی صورت میں، تکرار سلام و جواب میں حرج ہے۔
ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ اس میں حرج کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾- [الحج: 22: 78]

''اور اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی حرج نہیں رکھا ہے۔''

دین سہل ہے اور دین کے احکام پر عمل بغیر حرج کے ممکن و واقع ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس صورت کے بارے میں واضح حکم ارشاد فرمایا اور اس کو کر کے دکھایا، صحابہ کرام و تابعین کو اس پر عمل کرتے ہوئے کوئی حرج محسوس نہیں ہوا، اور الحمد للہ اس دور میں بھی عاملین بالکتاب والسنۃ اس پر عمل کر رہے ہیں اور کسی حرج کو نہیں جانتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قسم کے واقعات کے لیے دیکھیے الأدب المفرد، مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے مباحث سلام۔

تیسرا دعویٰ:

یہ ہے کہ بار بار آنے جانے کی صورت میں سلام و جوابِ سلام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔
سوال یہ ہے کہ مستثنیٰ کرنے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے تو استثناء ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ بھی ایک بلا دلیل دعویٰ ہے۔

وضو کرنے والے کو سلام کہنا

بعض فقہائے حنابلہ نے کہا ہے:

''وضو کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ ہے۔''

(الآداب الشرعية لابن مفلح: 453/1)

لیکن یہ بات درست نہیں۔ وضوء کرنے والے کو سلام کہنا بلا شبہ مشروع ہے کراہت اور منع کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور افشائے سلام کے متعلق بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں جن کے عموم کے تحت متوضی بھی داخل ہے، بلکہ غسل کرنے والے کو سلام کہنے کی صحیح وصریح حدیث موجود ہے۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَامَ الفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ ، قَالَتْ: فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ؟ قُلْتُ: أُمُّ هَانِيءٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: «مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِيءٍ».

(صحيح بخاري:6158، صحيح مسلم: 336)

''میں فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی، آپ اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے سے آپ کو پردہ کیا ہوا تھا میں نے سلام کیا، آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا: ام ہانی بنت ابی طالب، آپ نے فرمایا: خوش آمدید ام ہانی۔''

اس حدیث سے غسل کرنے والے کو سلام کہنے کی مشروعیت ثابت ہوئی اور جب یہ ثابت ہوا تو وضوء کرنے والے کو سلام کہنا بطریق اولی ثابت ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث سے ان حنفی و دیگر فقہاء پر رد ہے جو غسل کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ سمجھتے ہیں۔

حضرات حنابلہ نے مہاجر بن قنفذ کی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن یہ محل نظر ہے اس لیے کہ مہاجر بن قنفذ کی حدیث کو ابن ماجہ کے علاوہ نسائی اور ابو داود نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ وُضُوئِهِ قَالَ: إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي مِنْ أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ.

(**صحیح**: سنن ابن ماجه:350، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 837)

''میں نبی ﷺ کے پاس آیا، آپ وضوء فرما رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے جواب نہیں دیا، جب وضوء سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جواب سلام سے مانع میرا بے وضوء ہونا تھا۔''

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اسے بَابُ الرَّجُلِ يُسَلَّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبُولُ ''پیشاب کرنے والے کو سلام کہنا''، کے تحت ذکر کیا ہے۔ علامہ سندی ابن ماجہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: «وَهُوَ يَتَوَضَّأُ» فِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ وَأَبِي دَاوُدَ: «وَهُوَ يَبُولُ» فَيُحْمَلُ قَوْلُهُ: «وَهُوَ يَتَوَضَّأُ» أَيْ هُوَ فِي مُقَدِّمَاتِ الْوُضُوءِ وَالْمُصَنِّفُ نَبَّهَ عَلَى ذٰلِكَ بِذِكْرِ الْحَدِيْثِ فِي هٰذِهِ التَّرْجَمَةِ.

(حاشية السندي على سنن ابن ماجه ـ ابواب الطهارة ، باب الرجل يسلم عليه وهو يبول)

«وهو يتوضأ» کا لفظ جو ہے، نسائی اور ابو داود کی روایت میں اس کی جگہ

«وهو يبول» ہے تو ان الفاظ «يتوضأ» کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ وضوء کے مقدمات میں تھے اور مصنف نے اس کو اس باب کے تحت ذکر کر کے اس پر تنبیہ کی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اصل لفظ «وهو يبول» یعنی آپ پیشاب کر رہے تھے۔ ابن ماجہ کی روایت میں «وهو يتوضأ» مقدمات الوضوء پر محمول ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

علاوہ ازیں اگر لفظ «وهو يتوضأ» ہی ہو تو پھر بھی وضوء کرنے والے کو سلام کہنے کی کراہت کے لیے اس سے استدلال کرنا تام نہیں ہے، اس لیے کہ اس روایت میں بھی نبی ﷺ نے سلام کرنے والے کو منع نہیں فرمایا، بلکہ اس کے فعل کی تقریر فرمائی اور وضوء کے بعد اس کے سلام کا جواب دیا، جیسا کہ ابن مفلح نے ذکر کیا ہے:

أَنَّهُ سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى فَرَغَ مِنْ وُضُوئِهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ وَقَالَ: إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ إِلَّا أَنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا عَلَى طَهَارَةٍ». (الآداب الشرعية:377/1)

”مہاجر بن قنفذ نے نبی ﷺ کو سلام کیا، آپ نے وضوء سے فارغ ہونے کے بعد اس کا جواب دیا، اور فرمایا: جواب سلام سے مجھے مانع یہ رہا کہ مجھے ناپسند لگا کہ میں اللہ کا ذکر طہارت کے بغیر کروں۔“

ابن مفلح نے اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ ، رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ أَبُو حَاتِمٍ فِي صَحِيحِهِ وَقَالَ: أَرَادَ بِهِ الْفَضْلَ لِأَنَّ الذِّكْرَ عَلَى الطَّهَارَةِ أَفْضَلُ ـ لَا أَنَّهُ مَكْرُوهٌ.

(الآداب الشرعية:377/1)

''اس حدیث کی سند جید ہے اسے ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں ابوحاتم بھی ہیں، اس نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور کہا ہے: کہ اس سے مراد فضیلت ہے اس لیے کہ طہارت کے ساتھ ذکر افضل ہے یہ مطلب نہیں کہ بغیر طہارت کے ذکر مکروہ ہے۔''

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (167/1) نے بھی صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی تائید کی ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

قَوْلُهُ ﷺ أَنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ ، أَرَادَ ـ ﷺ ـ الْفَضْلَ لِأَنَّ الذِّكْرَ عَلَى الطَّهَارَةِ أَفْضَلُ ، لَا أَنَّهُ يَكْرَهُهُ لِنَفْيِ جَوَازِهٖ. (الإحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان:83/3)

''نبی ﷺ کا یہ فرمانا: مجھے ناپسند لگا کہ میں اللہ کا ذکر بغیر طہارت کے کروں، اس سے آپ ﷺ کی مراد فضیلت ہے، اس لیے کہ طہارت کے ساتھ ذکر افضل ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اس کو اس لیے مکروہ سمجھتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔''

امام ابن حبان رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهٖ.

(صحیح مسلم مع شرح النووی : 160/1، قدیمی کتب خانہ کراچی)

''رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

وَيَكُوْنُ مُعْظَمُ الْمَقْصُوْدِ أَنَّهُ ﷺ كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ مُتَطَهِّرًا وَمُحْدِثًا،

وَجُنُبًا، وَقَائِمًا، وَقَاعِدًا، وَمُضْطَجِعًا ، وَمَاشِيًا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

(صحیح بخاری:183)

''اس حدیث سے بڑا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ آپ ﷺ باوضو، جنابت کی حالت میں، کھڑے، بیٹھے، لیٹے اور چلتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے۔''

اور بغیر وضو کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے جواز پر بخاری کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: بَابُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ . (قرآن کا بے وضو ہونے وغیرہ حالت کے بعد پڑھنا) اور اس کے اندر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی ہے جس میں وہ اپنی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تھے وہ بیان فرماتے ہیں کہ آدھی رات یا آگے پیچھے:

اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ثُمَّ يُصَلِّيْ. (صحیح بخاری:183)

''رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، بیٹھے اور اپنے ہاتھوں کو چہرے پر ملتے ہوئے نیند ختم کر رہے تھے، پھر آپ نے سورۂ آل عمران کی دس آخری آیتیں تلاوت فرمائیں، پھر ایک لٹکائے ہوئے مشکیزے کی طرف اٹھے، آپ نے اس سے وضوء کیا اور پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔''

اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ نے سورۂ آل عمران کی آیتیں بلا وضوء پڑھیں، جس سے بلا وضوء ذکر و تلاوت کرنے کا جواز ثابت ہوا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مہاجر بن قنفذ کی حدیث یا تو حالت بول پر محمول ہے۔ جس میں سلام کہنا بالاتفاق ممنوع ہے اور یا یہ کہ اس میں تاخیر برائے حصولِ فضیلت ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر سلام کرنے والا

موجود ہے تو جواب سلام میں کسی معقول ومحمود غرض کے لیے تاخیر درست ہے۔

قضائے حاجت میں مشغول شخص کو سلام کہنا

سلام چونکہ اللہ کے ناموں میں سے ہے لہٰذا گندی جگہوں میں اس کا ذکر کرنا مکروہ ہے اور اسی وجہ سے قضائے حاجت میں مشغول شخص کو سلام کہنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح قضائے حاجت میں مشغول کا جواب سلام دینا بھی جائز نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:

أَنَّ رَجُلًا مَرَّ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَبُوْلُ ، فَسَلَّمَ ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ.

(صحیح مسلم:823)

''ایک آدمی گزرا اور رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے، اس نے سلام کیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔''

اسی طرح ابن ماجہ کی روایت میں اس حالت میں سلام کہنے سے صریح ممانعت آئی ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَجُلًا مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَبُوْلُ ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ، فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا رَأَيْتَنِيْ عَلَى مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالَةِ فَلَا تُسَلِّمْ عَلَيَّ، فَإِنَّكَ إِنْ فَعَلْتَ لَمْ أَرُدَّ عَلَيْكَ».

(سنن ابن ماجه: 2282، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 197)

''ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس سے گزرا، آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے۔ اس شخص نے آپ کو سلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے (فارغ ہونے کے بعد) اسے فرمایا: جب تم مجھے اس حالت میں دیکھو تو مجھے سلام نہ کیا کرو اگر

تم نے کیا، تو میں سلام کا جواب نہیں دوں گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت میں مشغول شخص کو سلام کہنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے سلام کیا تو اسے جواب نہیں دیا جائے گا۔لیکن فقہ حنفی کی عظیم کتاب "عالمگیری" کا فتویٰ اس سے مختلف ہے:

رَجُلٌ سَلَّمَ عَلٰى مَنْ كَانَ فِي الْخَلَاءِ يَتَغَوَّطُ وَيَبُوْلُ لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيْهِ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ فَإِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ ، قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ: يَرُدُّ السَّلَامَ بِقَلْبِهِ لَا بِلِسَانِهِ.

"ایک آدمی بیت الخلاء میں قضائے حاجت میں مشغول شخص کو سلام کہتا ہے تو اس کو ایسا کرنا مناسب نہیں لیکن اگر سلام کہا تو امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ سلام کا جواب دل سے دے گا زبان سے نہیں۔"

ہم اس طرز عمل کو کیا نام دے سکتے ہیں کہ جہاں پر سلام کہنا ثابت اور مشروع ہے، وہاں پر سلام کہنے کو انھوں نے مکروہ اور ناجائز قرار دیا ہے، جس کے نمونے آپ پڑھ چکے ہیں، لیکن جہاں رسول کریم ﷺ سے صریح نہی ثابت ہے اور آپ کا عمل بھی اس کے مطابق ہے۔ وہاں پر لَا يَنْبَغِي جیسے نرم الفاظ لائے ہیں کہ صرف مناسب نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کوئی سلام کہے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ وہ جواب سلام کا مستحق بھی ہے کہ دل سے اس کا جواب دیا جائے گا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمارہے ہیں کہ آپ نے جواب نہیں دیا خود آپ کا فرمان ہے:

«لَا أَرُدُّ عَلَيْكَ».

"میں تیرے سلام کا جواب نہیں دوں گا۔"

اور فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ دل سے اس کا جواب دیا جائے گا۔اب کوئی پوچھے یہ کس

حدیث کے الفاظ ہیں؟ اور کیا رسول اللہ ﷺ سے اس حالت میں دل سے جواب سلام ثابت ہے؟ یقیناً ثابت نہیں ہے، تو پھر اس کو کیا نام دیا جا سکتا ہے، ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ فقہ حنفی کے اکثر مسائل امام ابوحنیفہ پر الزام ہیں یعنی بعد کے نام نہاد حنفی مشائخ نے ایسے مسائل گھڑ لینے کے بعد ان کے ذمے لگا دیئے ہیں۔

سوئے ہوئے یا سونے کے قریب شخص کو سلام کہنا

اگر کوئی آدمی ایسی جگہ میں آئے جہاں پر لوگ سوئے ہوئے ہیں یا سونے کے قریب ہیں یا بعض جاگ رہے ہیں اور بعض سو رہے ہیں، تو ایسی جگہ میں نبی کریم ﷺ کی تعلیم کے مطابق سلام کہنا بلاشبہ مشروع و مسنون ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اس بارے میں تعلیم یہ ایسی صورت میں پست آواز سے سلام کیا جائے کہ جاگنے والے سن سکیں اور سونے والے اس سے نہ جاگیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" میں باب باندھا ہے: بَابُ التَّسْلِيْمِ عَلَى النَّائِمِ. "سوئے ہوئے شخص کو سلام کہنا۔"

اور اس کے تحت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجِيْءُ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا لَا يُوْقِظُ نَائِمًا وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ. (صحيح الأدب المفرد: 784، مسلم: 128/6)

"نبی ﷺ رات کو آتے تو اس انداز سے سلام کرتے تھے جو سوئے ہوئے کو نہیں جگاتا تھا اور جاگنے والے کو سنا لیتے تھے۔"

مقداد رضی اللہ عنہ کی جو حدیث مسند احمد میں مذکور ہے اس میں یہ بات مصرح ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کو جب تشریف لائے تو اس وقت میرے دو دیگر ساتھی سو گئے تھے اور میں بھی اپنے چہرے پر کپڑا ڈال کر لیٹا تھا آپ نے سلام کیا جو کہ جاگنے والے کو سنائی

دیتا تھا اور سوئے ہوئے شخص کو نہیں جگاتا تھا۔ (مسند احمد: 6/ 2، 3، 4، 5)

یہ حدیث اور اس کے علاوہ دیگر احادیث جن میں سلام پھیلانے اور عام کرنے کا حکم ہے حالت مذکورہ میں سلام کہنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں۔

ادھر فقہ حنفی کی کتابوں میں مذکور ہے کہ نائم اور ناعس کو سلام کہنا مکروہ ہے۔

ملا علی قاری حنفی رقمطراز ہیں:

مِنْ ذٰلِكَ مَقَامَاتٌ وَمَوَاضِعُ مِنْهَا إِذَا كَانَ مُشْتَغِلاً بِالْبَوْلِ وَالْجِمَاعِ وَنَحْوِهَا فَيُكْرَهُ أَنْ يُسَلَّمَ عَلَيْهِ وَمِنْهَا إِذَا كَانَا نَائِمًا أَوْ نَاعِسًا. (مرقاة المفاتيح: 9/58)

”جہاں پر سلام کہنا مکروہ ہے وہ یہی جگہیں ہیں۔ جیسے پیشاب کرتے وقت اور جماع کے وقت اور اس کے مثل جیسے کوئی سویا ہوا ہو یا سونے کے قریب ہو۔“

جماع کرنے والے کو سلام کہنا

فقہ حنفی کا طرۂ امتیاز جس پر احناف کو بڑا ناز و فخر ہے کہ یہ فقہ بہت سے فرضی مسائل مع ان کے جوابات سے لبریز اور پُر ہے۔ حضرات احناف اس پر بضد ہیں کہ یہ امت پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔ ان فرضی اور عادۃً یا عقلاً غیر ممکن الوقوع مسائل کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان فرضی مسائل میں سے ایک جماع کرنے والے کو سلام کہنے کا مسئلہ بھی ہے۔ فقہ حنفی میں جماع کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ لکھا ہے:

مِنْهَا إِذَا كَانَ مُشْتَغِلاً بِالْبَوْلِ وَالْجِمَاعِ وَنَحْوِهَا فَيُكْرَهُ أَنْ يُسَلَّمَ عَلَيْهِ. (مرقاة المفاتيح: 9/58)

”ان مقامات میں سے ایک مقام یہ ہے کہ جب وہ قضائے حاجت یا جماع

کرنے میں مشغول ہو (یا اس کے مثل دیگر حالات میں) تو اس کو سلام کہنا مکروہ ہے۔''

یہ فقہ حنفی کا ایک اہم مسئلہ۔ اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ کیا عمل جماع کسی بازار یا پبلک پارک یا دیگر مقامات عامہ میں سرانجام پاتا ہے کہ وہاں لوگوں کی رسائی ہوتی ہے لہٰذا لوگ مذکورہ مسئلہ پر عمل کرتے ہوئے سلام سے اجتناب کریں۔ کیا یہ ایک غیر واقعی مسئلہ نہیں ہے؟ کیا مسلمانوں کے لیے اس طرز جماع کا اختیار کرنا جائز ہے؟ یقیناً نہیں۔ تو جب ایسی صورت کا واقع ہونا نہ شرعاً درست ہے اور نہ ہی عرفاً واقع ہے تو پھر ایسی غیر ممکن الوقوع صورتوں کے لیے مسئلہ گھڑ لینا فقاہت ہی کہلائے گا؟ شریعت کی تعلیم تو یہ ہے کہ جماع پردے اور لوگوں کی نظروں سے مخفی ہوحتیٰ کہ جماع کی باتوں کو بھی مخفی رکھا جائے، چہ جائیکہ عمل جماع ہی ظاہر ہو کہ وہاں رسائی اور آمد و رفت ہو جس کے نتیجے میں سلام کرنے کا موقع بھی آ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝﴾ [النور:24: 27، 28]

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام کرو، یہی تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو، اگر وہاں تمھیں کوئی بھی نہ مل سکے پھر

اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ۔ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم
لوٹ ہی جاؤ، یہی بات تمھارے لیے پاکیزہ ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ
اسے خوب جانتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ جماع کسی پارک، روڈ اور مقامات عامہ میں کرنا تو جائز نہیں ہے، جماع گھر، رہائش گاہ، اور باپردہ جگہ میں کرنے کا حکم ہے اور کسی کی رہائش گاہ اور گھر میں بغیر اجازت کے اندر جانا جائز نہیں ہے اور جب جانا جائز نہیں ہے تو جماع کرنے والے کو سلام کہنے کا موقع نہیں آئے گا، اور اگر اجازت سے جاتا ہے تو دوسروں کے سامنے جماع کرنا ہی جائز نہیں تو وہ جماع کی حالت میں نہیں ہوگا، تو پھر اسے سلام کرنے میں کیا حرج ہے؟ .ور مانع کونسا ہے؟ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کے لیے ایسی صورت کا پیدا کرنا ہی جائز نہیں اور نہ ہی الحمد للہ یہ صورت عادۃً واقع ہے۔ تو ایک عادۃً غیر ممکن الوقوع اور شرعاً ناجائز صورت کے لئے مسئلہ گھڑ لینا کہاں کی فقاہت ہے؟

برہنہ (ستر کھلے ہوئے) شخص کو سلام کہنا

فقہ حنفی کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مکشوف العورۃ (برہنہ شخص) کو سلام کہنا ناجائز و مکروہ ہے۔ ردالمختار میں ہے:

(مَكْشُوْفُ عَوْرَةٍ) ظَاهِرُهُ وَلَوِ الْكَشْفُ لِلضَّرُوْرَةِ.

(رد المحتار: 456/1)

''اور ستر کھلے ہوئے شخص کو سلام کہنا مکروہ ہے، ظاہر یہ ہے کہ ستر کھولنا کسی ضرورت کے تحت کیوں نہ ہو پھر بھی اسے سلام کرنا مکروہ ہے۔''

اب صورت حال یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کے اندر تو مکشوف العورۃ اور برہنے نہیں

ہوتے اور نہ ہی شرعاً اس کی اجازت ہے سوائے اپنی بیوی، باندی کے پاس اور کسی شرعی طبی غرض کے دوسرے مواقع پر ستر کھولنا جائز نہیں ہے اور الحمد للہ مسلمان اس کی پابندی کرتے ہیں۔ تو جب عملی میدان میں ایسی صورت حال ہے ہی نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اس قسم کے فضول اور فرضی مسائل گھڑ لیے گئے ہیں؟

کافر کو سلام کہنا

سلام چونکہ ایک اسلامی شعار وتحیہ ہے، کافر اس کا مستحق نہیں۔ لہٰذا کافر کو سلام کے ساتھ پہل اور ابتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَبْدَؤُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلٰى أَضْيَقِهِ» (صحيح مسلم: 2167)

”نہ یہودیوں کو پہلے سلام کہو نہ نصرانیوں کو اور جب انھیں کسی راستے میں ملو تو انھیں اس (سے گزرنے پر) مجبور کرو جو زیادہ تنگ ہو۔“

یہود ونصاریٰ اور تمام مشرکین کو پہلے سلام کہنے میں ان کی تعظیم وتکریم پائی جاتی ہے، حالانکہ عزت کے حق دار صرف اہل ایمان ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸﴾ [المنافقون: 63: 8]

”عزت صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے مگر منافق لوگ جانتے نہیں۔“

ان کافروں سے جنگ فرض ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں

﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ ۔[التوبة: 9: 29]

"یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔"

اس سے ثابت ہوا کہ یہودیوں، نصرانیوں اور تمام مشرکین کو پہلے سلام نہیں کیا جائے گا اور یہ نہی مطلق اور عام ہے، تمام حالات اور صورتوں کو شامل ہے، ان کافروں کو پہلے سلام کرنے کی قباحت اور برائی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرز عمل سے مزید واضح ہو جاتی ہے یہ کہ آپ نے نہ پہچاننے کی وجہ سے (ابن عمر رضی اللہ عنہما آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے) ایک نصرانی کو سلام کہا، آپ کو کسی نے بتایا کہ یہ نصرانی ہے، آپ واپس پلٹے اور اس نصرانی سے کہا: مجھے میرا سلام واپس کرو:

مَرَّ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بِنَصْرَانِيٍّ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ، فَأُخْبِرَ أَنَّهُ نَصْرَانِيٌّ فَلَمَّا عَلِمَ رَجَعَ فَقَالَ: رُدَّ عَلَيَّ سَلَامِي.

(صحیح الأدب المفرد، ص:430، إرواء الغليل:1274)

سلام کی ایک حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے:

«أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ». (صحیح مسلم:194)

"کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تمھارے درمیان محبت پیدا ہو جائے آپس میں سلام عام کرو۔"

جبکہ کفار کے متعلق یہ حکم ہے کہ انھیں اپنا دوست مت بناؤ:

﴿لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ ۔[الممتحنة: 60: 1]

"میرے اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ۔"

کفار ذلیل ہیں اور ان کو اسی ذلت کا احساس دلانے کے لیے اور اسے مستقل رکھنے کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ان کو پہلے سلام نہ کرو اور اگر راستے میں تمھاری ملاقات ان سے ہو جائے تو ان کے لیے کھلا راستہ مت چھوڑو، بلکہ انھیں مجبور کرو کہ تنگ تر راستے سے گزریں۔

لیکن تعجب ہوتا ہے فقہائے احناف پر کہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے سلام کہنے اور پھیلانے کا حکم دیا ہے وہاں ایک ایک جگہ سے انھوں نے سلام کو نکال دیا ہے۔ لیکن جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے سلام کہنے سے منع فرمایا ہے وہاں پر انھوں نے بسیار تاویلوں سے سلام کو رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ ''تنویر الأبصار الدر المختار'' کا متن ہے اس کے اندر لکھا ہے:

وَيُسَلِّمُ أَهْلَ الذِّمَّةِ.

''مسلمان ذمی کافر کو سلام کرے گا۔''

اور یہ مطلقاً ذکر ہے۔ الدر المختار کے مصنف علامہ حصکفی حنفی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ماتن کے نزدیک یہ مطلقاً ہے اور مقید نہیں ہے۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میں نے ''حاجة'' کی قید لگا دی ہے (تاکہ بات کسی حد تک درست ہو جائے)۔

الدر المختار مع متن کی عبارت یہ ہے:

(وَ يُسَلِّمُ) الْمُسْلِمُ عَلَى (أَهْلِ الذِّمَّة) لَوْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَيْهِ ، وَإِلَّا كُرِهَ وَهُوَ الصَّحِيحُ. (رد المحتار:5/292)

''اور مسلمان کافر ذمی کو سلام کرے گا اگر مسلمان کو کوئی حاجت درپیش ہے کافر کے پاس اور اگر اس کے پاس مسلمان کو کوئی حاجت درپیش نہیں ہے تو پھر سلام کہنا مکروہ ہے، اور یہ بات صحیح ہے۔''

علامہ ابن عابدین شرح میں ''وهو الصحيح'' کے تحت لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: وَهُوَ الصَّحِيْحُ مُقَابِلُهُ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ بِلَا تَفْصِيْلٍ وَهُوَ مَا ذُكِرَ فِي الْخَانِيَةِ عَنْ بَعْضِ الْمَشَآئِخِ.

یہ ''صحيح''، ''لا بأس به بلا تفصيل'' کے مقابلے میں ہے، یعنی حاجت و بغیر حاجت سب صورتوں میں کافر کو سلام کہنے کے جواز کا جو قول خانیہ فتاویٰ قاضی خان میں بعض مشائخ احناف سے منقول ہے (اور بہت سے احناف نے اسے قبول کیا ہے)۔''

تو صحیح یہ ہے کہ حاجت کے وقت سلام کرے اور حاجت نہ ہو تو سلام نہ کرے۔

ابن عابدین ''لَوْ لَهُ حَاجَةٌ'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَيْ إِلَى الذِّمِّيِّ الْمَفْهُوْمِ مِنَ الْمَقَامِ، قَالَ فِي التَّتَارْ خَانِيَّةِ: لِأَنَّ النَّهْيَ عَنِ السَّلَامِ لِتَوْقِيْرِهِ وَلَا تَوْقِيْرَ إِذَا كَانَ السَّلَامُ لِحَاجَةٍ.

(رد المحتار: 292/5)

''یعنی ذمی کافر کے پاس مسلمان کو حاجت درپیش ہے تو سلام کرے گا۔ تتارخانیہ میں ہے: کہ یہ اس لیے کہ کافر کو سلام کہنے سے جو منع اور نہی آئی ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب کافر کو سلام اس کی عزت اور توقیر کے لیے کیا جائے اور جب آپ کافروں کے پاس اپنی حاجت لے جا کر سلام کریں گے تو اس صورت میں ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔''

عالمگیری میں ہے:

أَمَّا التَّسْلِيْمُ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَدِ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ وَهٰذَا إِذَا

لَمْ يَكُنْ لِلْمُسْلِمِ حَاجَةٌ إِلَى الذِّمِّيِّ وَإِذَا كَانَ لَهُ حَاجَةٌ فَلَا بَأْسَ بِالتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ. (فتاوى هندية: 325/5)

''ذمی کافروں کو سلام کہنے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا ہے، کہ کافر کو سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض نے کہا: کہ ذمی کافر کے پاس حاجت پیش نہ آنے کی صورت میں سلام نہ کیا جائے اور اگر مسلمان کی حاجت ہے تو پھر (بالاتفاق) سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں۔''

ابن عابدین اور الدر المختار کی عبارت سابقہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

اُنْظُرْ هَلْ يَجُوزُ أَنْ يَأْتِيَ بِلَفْظِ الْجَمْعِ لَوْ كَانَ الذِّمِّيُّ وَاحِدًا فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يَأْتِي بِلَفْظِ الْمُفْرَدِ أَخْذًا مِمَّا يَأْتِي فِي الرَّدِّ، تَأَمَّلْ.

(رد المحتار: 292/5)

''دیکھو کیا یہ جائز ہے کہ جب ذمی ایک ہے اسے جمع کے لفظ کے ساتھ سلام کیا جائے (یعنی السلام علیکم کہا جائے) ظاہر یہ ہے کہ اگر ذمی ایک ہے تو لفظ مفرد (السلام علیک) سے سلام کیا جائے گا۔ جیسا کہ جواب سے ماخوذ ہے۔''

خلاصہ یہ کہ بعض مشائخ حنفیہ کے نزدیک تو کافر کو مطلقاً سلام کہا جائے گا اور بعض دیگر نے حاجت درپیش ہونے کی قید لگائی ہے اور حاجت مندی کی صورت میں تمام مشائخ احناف کا جواز پر اتفاق ہے۔

اب ہمارے حنفی بھائی خود سوچیں کہ کیا ان فقہاء کا طرز عمل رسول اللہ ﷺ سے مقابلے کا طرز عمل نہیں ہے؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: کہ اہل کتاب اور مشرکین کو سلام میں پہل نہ کرو، یہ ایک واضح اور عام حکم ہے، ان کے لیے یہ تحیہ نہیں ہے۔

لیکن جس طرح مطلقاً عام اور واضح ممانعت نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہے، اسی انداز میں فقہائے احناف نے اس کے جواز اور مشروعیت کو بیان کر دیا ہے اور بعض نے گویا جو کمی شریعت میں رہ گئی تھی وہ پوری کر دی اور کہہ دیا کہ حاجت مندی کی صورت میں سلام کہنا درست ہے۔ لیکن کوئی حنفی جسارت نہیں کر سکے گا کہ اپنے علماء فقہاء سے پوچھے کہ اس جوازِ عام کی کیا دلیل ہے؟ کونسی آیت یا حدیث میں اس جوازِ عام یا حاجت مندی کی قید سے مقید سلام کا ذکر یا حکم آیا ہے؟ یہ کبھی نہیں ہوگا اس لیے کہ دلیل کا پوچھنا یہاں گستاخی ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ والے نے تو کمال دوری کا مظاہرہ کیا اور فرمایا کہ اگر مسلمان کافر کا محتاج ہے یعنی کوئی کام درپیش ہے تو اس صورت میں سلام کرنے میں کافر کی عزت نہیں ہے اور بغیر حاجت و کام کے سلام ہو تو اس میں کافر کی عزت ہے، کیسی عجیب منطق ہے اور حیرت ناک عقل الکلی کا مظاہرہ ہے!!

اپنی حاجات برآری کے لیے سوالی بن کر کافر کے دروازے پر جاؤ اسے سلام کرو تو اس میں کافر کی عزت نہیں ہے۔ سبحان اللہ! اس طرز عمل کو اب کیا نام دیا جائے، یہ قاری کی ذمہ داری ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جہاں پر اللہ کے رسول ﷺ نے سلام کے عام کرنے کا حکم دیا ہے وہاں انھوں نے مختلف موانع ایجاد کیے اور روڑے اٹکائے اور جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے سلام کہنے سے منع فرمایا ہے یہ لوگ اسے جائز و مشروع ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حالانکہ:

1......اس میں صریح نہی کی واضح مخالفت ہے۔

2......کفار کی تعظیم اور حوصلہ افزائی ہے۔

3......یہودیوں کے دلوں سے حسد کے شعلے کو دور کرنا ہے اس لیے یہودی مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ سلام اور آمین کی وجہ سے حسد کرتے ہیں اور جب مسلمان ان کو سلام کرے گا تو ان کے دلوں میں سرور وخوشی کی لہر دوڑ جائے گی اس لیے کہ وہ اس میں شریک کیے گئے۔

4......علاوہ ازیں اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مخالفت ہے:

﴿وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ﴾۔[التوبة: 9: 123]

''اور چاہیے کہ کفار تم میں سختی پائیں۔''

5......ان کو سلام کرنا ان سے محبت اور ہم آہنگی کی علامت ہے۔

کافر کو ''والسلام علی من اتبع الھدی'' کہنا

جو شخص مسلمان نہیں ہے اس کو اسلام کی دعوت ایک نہایت بلیغ اور لطیف انداز میں دینے کے لیے اور ان کو تبلیغی خطوط میں لکھنے کے لیے یا ان لوگوں سے ان مقاصد بالا کے لیے ملاقات کی صورت میں جو لفظ نصوص شرعیہ سے ثابت ہے وہ ''السلام علی من اتبع الھدی'' کا جملہ ہے۔ یہ ایک مقید سلام اور اس کا معنی ہے: ''سلامتی اس پر ہو جس نے ہدایت کی تابعداری کی'' اگر مسلّم علیہ میں اتباع و ہدایت کی صفت موجود ہے تو اس کے لیے دعا سلامتی ہے ورنہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے سلسلے میں ان دونوں کا قول نقل فرمایا:

﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝﴾.

[طٰهٰ: 20: 47]

"تحقیق ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس کے لیے ہے جو ہدایت کا پابند ہو جائے۔"

اور نبی ﷺ نے ہرقل کو خط میں لکھا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى». (صحیح بخاری: 7)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں ایک سوال اٹھا کر خود ہی جواب تحریر فرمایا ہے: سوال یہ ہے کہ اس میں تو کافر کو ابتداء بالسلام ہے جو کہ نبی ﷺ کی طرف سے ممنوع ہے۔ جواب میں فرمایا کہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد تحیۃ وسلام معروف نہیں ہے، بلکہ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ وہ ہے جو اسلام لایا ہے، اس لیے کہ اس کے بعد آیا ہے:

﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾.

"کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے۔"

اور رسول اللہ ﷺ کے خط کے بقیہ حصہ میں ہے:

«فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيْسِيِّيْنَ». (صحیح بخاری: 7)

"اگر تو اعراض کرے گا تو اریسیین کا گناہ تم پر ہے۔"

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں کافر کو ابتدا بالسلام کا قصد نہیں ہے اگرچہ ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے، لیکن مقصد میں کافر داخل نہیں ہے اس لیے کہ "من اتبع الهدى" میں سے نہیں ہے۔ تو سلام بھی اس کو نہیں کیا گیا ہے۔

حقیقت میں یہ دعوت کا ایک نہایت بلیغ انداز ہے کہ دعوت کے ساتھ وعدہ اور وعید دونوں ہیں: کہ جو ہدایت کا تابع ہے وہ تو اللہ کے عذاب سے محفوظ ہے، جو تابع نہیں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ نہیں، اس کے لیے سلامتی نہیں۔ تو اے کافر! ہدایت کا تابع بن جا، تاکہ عذاب الٰہی سے محفوظ ہو جائے اور سلامتی والا ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں یہ دعوت کے سلسلے میں ذکر ہوا اور نبی ﷺ کے خط میں بھی یہ برائے دعوت ہی ہے۔ لہٰذا یہ سلام تحیہ نہیں ہے۔

حنفیہ میں سے صاحب الشرعۃ نے لکھا ہے کہ اہل ذمہ کو ''السلام علی من اتبع الھدی'' سے سلام کیا جائے گا اور خطوط میں بھی یہی لفظ استعمال کیا جائے گا:

إِذَا سَلَّمَ عَلٰى أَهْلِ الذِّمَّةِ فَلْيَقُلْ: اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَكَذٰلِكَ يُكْتَبُ فِي الْكِتَابِ إِلَيْهِمْ. (رد المحتار:5/292)

مصنف عبدالرزاق میں قتادہ سے منقول ہے:

اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الْكِتَابِ إِذَا دَخَلْتَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمُ السَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. (مصنف عبدالرزاق:6/12، المكتب الإسلامي بيروت)

''جب اہل کتاب کے پاس جاؤ تو ان کو ''السلام علی من اتبع الھدی'' کہو۔''

محمد بن سیرین سے بھی اس طرح کا قول منقول ہے۔ (فتح الباری 11/31)

لیکن جیسا کہ واضح ہوا کہ تحیہ اور سلام معروف نہیں ہے بلکہ تمام کافروں کو اس لفظ سے دعوتِ اسلام دی جائے گی، فرعون اور ہرقل ذمی تھوڑے تھے۔ جبکہ ان کے لیے یہ لفظ برائے دعوتِ دین استعمال ہوا تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ مسلمان کو ان الفاظ کے ساتھ سلام کرنا ثابت نہیں ہے۔

جس مجلس میں مسلمان، کافر سب جمع ہوں تو سلام کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

اگر کسی مسلمان کا ایسی مجلس پر گزر ہو جائے تو جس میں مسلم کافر سب بیٹھے ہوں تو اس میں نبی کریم ﷺ کا طریقۂ سلام (السلام علیکم) کہنے کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سلام مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے تو مراد بھی مسلمان ہی ہیں۔

صحیح بخاری میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ ...... فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ.

(صحیح بخاری:6254)

"نبی کریم ﷺ ایسی مجلس پر گزرے جس میں مسلم، مشرک، بت پرست اور یہودی بیٹھے تھے، نبی ﷺ نے سلام کیا۔"

لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ فقہ حنفی کا اس سلسلے میں کیا موقف ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ: إِنْ مَرَرْتَ بِقَوْمٍ وَفِيهِمْ كُفَّارٌ فَأَنْتَ بِالْخِيَارِ إِنْ شِئْتَ قُلْتَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَتُرِيدُ بِهِ الْمُسْلِمِينَ وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ: السَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى كَذَا فِي الذَّخِيرَةِ.

(فتاوی عالمگیری: 325/5)

"فقیہ ابو اللیث نے کہا: اگر تمھارا گزر ایسے لوگوں پر ہو جائے جن میں (مسلمانوں کے علاوہ) کافر (بھی) ہیں تو آپ کو اختیار ہے آپ چاہیں تو

"السلام علیکم" کہیں اور نیت مسلمانوں کی کریں اور اگر چاہیں تو کہیں:

السلام علی من تبع الهدی۔"

نبی ﷺ سے تو ایسی صورت میں "السلام علیکم" کہنا ثابت ہے اور یہی شریعت کا طریقہ ہے۔

کافر (اہل کتاب) کے سلام کا جواب

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ».

(صحیح بخاری: 6258، صحیح مسلم:2163)

"جب تمھیں اہل کتاب سلام کریں تو جواب میں "وعلیکم" کہو۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُودُ فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمْ: السَّامُ عَلَيْكَ ، فَقُلْ: وَعَلَيْكَ».

"جب یہود تمھیں سلام کریں ان کا ہر ایک "السام علیک" (تم پر موت ہو) کہتا ہے، تو تم جواب وعلیک کہو۔"

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب (کفار) سلام کریں تو ان کے جواب میں صرف وعلیکم کہا جائے خواہ وہ السلام صحیح تلفظ کریں یا مروڑ کے السام بولیں ہر دو صورتوں میں جواب وعلیکم سے دیا جائے گا۔

بعض علما جیسے شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب اہل کتاب درست تلفظ کے ساتھ السلام علیکم کہیں تو اس صورت میں جواب میں وعلیکم کے ساتھ السلام کا اضافہ کرنا جائز

ہے۔یعنی ''وعلیکم السلام''۔(الأدب المفرد للالبانی :1102)

لیکن راجح یہی ہے کہ جواب میں ''وَعَلَیْکُمْ'' پر اضافہ نہ کیا جائے۔

فاسق اور معصیت میں مبتلا شخص کو سلام کہنا یا اس کے سلام کا جواب دینا

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے:

بَابُ مَنْ لَّمْ يُسَلِّمْ عَلٰى مَنِ اقْتَرَفَ ذَنْبًا وَلَمْ يَرُدَّ سَلَامَهُ ، حَتّٰى تَتَبَيَّنَ تَوْبَتُهُ إِلٰى مَتٰى تَتَبَيَّنُ تَوْبَتُهُ؟.

''باب: جس نے گناہ کرنے والے کو سلام نہیں کیا، اور نہ ہی اس کے سلام کا جواب دیا یہاں تک کہ اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور کب تک اس کی توبہ ظاہر ہوتی ہے؟۔''

پھر انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا:

لَا تُسَلِّمُوْا عَلٰى شَرَبَةِ الْخَمْرِ.

شراب پینے والوں کو سلام نہ کرو۔

اور پھر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی جس میں آپ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے، اس میں ہے:

وَآتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأُسَلِّمُ عَلَيْهِ ، فَأَقُوْلُ فِيْ نَفْسِيْ: هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ أَمْ لَا؟. (صحیح بخاری: 6255)

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر سلام کہتا تو دل میں کہتا کہ آپ ﷺ نے جواب سلام کے ساتھ ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں؟۔''

اس سلسلے میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ مِّنَ الْبَحْرَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ، وَفِي يَدِهِ خَاتَمٌ مِنْ ذَهَبٍ وَعَلَيْهِ جُبَّةُ حَرِيرٍ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ مَحْزُونًا إِلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَتْ: لَعَلَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ جُبَّتَكَ وَخَاتَمَكَ، فَأَلْقِهَا ثُمَّ عُدْ فَفَعَلَ فَرَدَّ السَّلَامَ.

(مسند أحمد: 3/14، 15، سنن نسائی: 175/8، نسائی کی سند جید ہے)

''ایک آدمی بحرین سے واپس آکر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے سلام کیا، نبی ﷺ نے جواب نہیں دیا، اس آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی اور اوپر ریشم کا جبہ تھا۔ یہ شخص غمگین حالت میں گھر چلا گیا گھر جا کر اپنی بیوی سے یہ بات کر دی، بیوی نے کہا: شاید رسول اللہ ﷺ تجھ پر تیرے جبے اور اور انگوٹھی کی وجہ سے ناراض ہوں، اسے رکھ دو پھر دوبارہ جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا (اور آکر سلام کیا) نبی ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔''

اسی طرح امام ابوداود اپنی سنن میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث لائے ہیں:

قَالَ قَدِمْتُ عَلَى أَهْلِي لَيْلًا، وَقَدْ تَشَقَّقَتْ يَدَاىَ، فَخَلَّقُوْنِى بِزَعْفَرَانٍ ، فَغَدَوْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَلَمْ يُرَحِّبْ بِي، وَقَالَ: اذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ فَذَهَبْتُ فَغَسَلْتُهُ، ثُمَّ جِئْتُ وَقَدْ بَقِيَ عَلَيَّ مِنْهُ رَدْعٌ فَسَلَّمْتُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَلَمْ يُرَحِّبْ بِي، وَقَالَ: اذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ، فَذَهَبْتُ فَغَسَلْتُهُ، ثُمَّ جِئْتُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيَّ وَ رَحَّبَ بِي. (سنن ابي داود: 6401 رھو

حدت حسن قاله الألباني رحمه الله انظر صحيح أبي داود: 3519)

''میں رات کے وقت اپنے گھر لوٹا، میرے ہاتھ پھٹے ہوئے تھے، میرے (گھر والوں) نے اس پر زعفران لگایا، صبح کے وقت میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور سلام کیا، تو آپ ﷺ نے نہ تو میرے سلام کا جواب دیا اور نہ ہی خوش آمدید و ترحیب کہی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: جاؤ اور اسے دھو کر آؤ۔ میں گیا اور ہاتھوں کو دھو کر آ گیا، پر میرے ہاتھوں پر تھوڑا سا نشان باقی تھا، میں نے آ کر سلام کیا نبی ﷺ نے پھر سلام کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی خوش آمدید اور ترحیب کہی، اور مجھے کہا کہ ''جاؤ اور اسے (بھی) دھو آؤ، میں گیا اور اسے دھو کر واپس آیا، سلام کیا تو آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب بھی دیا اور مجھے ''مرحبا'' بھی کہا۔''

ان احادیث و آثار سے فاسق و مبتلائے معصیت کو سلام کہنے یا اس کے سلام کا جواب دینے کی کراہت پر استدلال کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک قابل قبول تحقیق کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فاسق، مبتلائے معصیت اور مبتدع کو سلام نہ کہنا یا اس کے سلام کا جواب نہ دینا ''ہجر'' اور ''زجر'' کے قبیلے سے ہے اور یہ ہجر اور زجر کسی صاحب ریاست مثلاً والدین، استاذ، امیر اور حاکم کی طرف سے ہو، تو جہاں پر اس سے ان لوگوں کی اصلاح کی توقع ہو تو اس پر عمل ہونا چاہیے، جیسا کہ صحابہ کرام نے عمل کر کے دکھایا اور اگر صاحب ریاست نہیں ہے تو پھر چونکہ ترک سلام و جواب سلام سے مقصود اصلی حاصل نہیں ہوتا اور دیگر بڑے مفاسد کے پیدا ہونے کا احتمال ہے تو پھر اصل پر عمل ہونا چاہیے۔ (مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ: 204/28)

فاسق مبتلائے معصیت کو سلام کہنے کے سلسلے میں بعض فقہائے احناف سے تو

کراہت منقول ہے۔ لیکن خود حنفی فقہ کی کتابوں میں امام ابو حنیفہ کا قول اس کے خلاف لکھا ہے، رد المختار شامی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مبتلائے معصیت کو باقاعدہ سلام کیا جائے گا اور نیت یہ کی جائے کہ ان لوگوں کو اس سلام کے ذریعے تھوڑی دیر کے لیے اس عمل گناہ سے دوسری طرف مشغول کیا جائے:

وَيُسَلِّمُ عَلٰى قَوْمٍ فِي مَعْصِيَةٍ وَعَلٰى مَنْ يَلْعَبُ الشَّطْرَنْجَ نَاوِيًا أَنْ يُشْغِلَهُمْ عَمَّا هُمْ فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.

(رد المحتار:5/394، فتاویٰ عالمگیری:5/326)

اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے یہ بات کہی بھی ہے یا نہیں۔ ویسے تو یہ حقیقت ہے کہ فقہ حنفی کے ہزار ہا مسائل امام ابو حنیفہ پر الزام ہیں۔ اصل میں وہ مسائل یا تو مشائخ بغداد کے ہوتے ہیں یا مشائخ بلخ و سمرقند کے اور اب تو مزید شاخیں بن گئی ہیں، مشائخ افغان اور مشائخ ہند۔

مذکورہ مسئلہ میں احناف نے جو موقف اختیار کیا ہے یعنی فاسق کو سلام کہنے کا وہ اس وجہ سے نہیں کہ سلام ایک حکم عام ہے تمام مسلمانوں کو کیا جائے گا بلکہ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان الفاظ سے ان کی توجہ بٹ جائے گی اور وہ سلام کے جواب کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے مشغول ہو جائیں گے۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ فاسق کو سلام کہنا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو پھر نیت مذکور سے کیسے جائز ہو گیا، اور کیا مذکورہ طریق سے جوازِ سلام کا ثبوت قرآن و سنت سے ہے؟ اور اگر فاسق کو سلام کہنا جائز ہے تو پھر مذکورہ خود ساختہ نیت و فلسفے کی کیا حاجت ہے؟ اور اگر جائز نہیں ہے اور صرف ان کو مشغول کر دینا ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وظیفہ کس وقت ادا کیا جائے گا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ان کو عملِ فسق سے مشغول کرو بلکہ ہٹاؤ اور اگر یہ بھی

نہیں تو دوسری باتوں سے ان کو کیوں معروف نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ کہ یہ بلا دلیل تاویل ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا تھا کہ احادیث و آثار سے یہ بات واضح ہے کہ فاسق اور مبتلائے معصیت کو سلام نہیں کہنا چاہیے اور نہ ہی اس کے سلام کا جواب دینا چاہیے۔ تاکہ ان کو زجر اور تنبیہ حاصل ہو جائے اور وہ اپنے فسق و معصیت کے ارتکاب سے باز آجائیں اس تفصیل کے مطابق جو شیخ الاسلام کے قول کے خلاصے میں گزری ہے۔ لیکن ادھر علمائے احناف نے کہا کہ فاسق کے سلام کا جواب دینا واجب ہے:

وَيَنْبَغِي وُجُوبُ الرَّدِّ عَلَى الْفَاسِقِ لِأَنَّ كَرَاهَةَ السَّلَامِ عَلَيْهِ لِلزَّجْرِ فَلَا تُنَافِي الْوُجُوبَ عَلَيْهِ. تَأَمَّلْ. (رد المحتار:457/1)

''فاسق کے سلام کا جواب واجب قرار دینا مناسب ہے اس لیے کہ فاسق کو سلام کہنا اسے زجر دینے کے لیے مکروہ قرار دیا گیا ہے اور یہ اس کے جواب سلام کے وجوب کے منافی نہیں۔''

خلاصہ یہ کہ ان کے بقول امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق اور مبتلائے معصیت کو سلام کہنا درست ہے جبکہ علامہ شامی کے بقول فاسق کے سلام کا جواب تو واجب ہی ہے۔

فقہ حنفی کا عجیب مسئلہ: دیہاتی اور شہری ایک دوسرے سے ملیں تو کون سلام میں پہل کرے گا؟

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ» وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ «لِيُسَلِّمِ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ».

(صحیح بخاری:6232، صحیح مسلم:5646)

''سوار پیدل چلنے والے کو سلام کہے، اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو، اور بخاری کی روایت میں ہے: چھوٹا بڑے کو سلام کہے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ کو۔''

ترمذی کی ایک روایت میں: ''وَالْمَاشِي عَلَى الْقَائِمِ'' کے الفاظ بھی ہیں:
یعنی چلنے والا کھڑے شخص کو سلام کہے۔

اسی طرح جب دونوں ملنے والے برابر ہوں تو دونوں کو ابتدا کا حکم ہے ''أَفْشُوا السَّلَامَ'' سلام عام کرو۔ ان میں سے جو پہل کرے گا وہ افضل ہے جیسا کہ دو قطع تعلقی کرنے والے ایک دوسرے سے ملیں تو ان کے بارے میں فرمایا:

«وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ». (متفق علیہ)

''ان میں سے بہتر وہ ہے جو ''سلام'' میں پہل کرے۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَالْمَاشِيَانِ أَيُّهُمَا يَبْدَءُ بِالسَّلَامِ فَهُوَ أَفْضَلُ.

(صحیح الأدب المفرد: 754، 983)

''دو پیدل چلنے والوں میں سے جو پہلے سلام کہے وہ افضل ہے۔''

یہ حدیث مرفوعاً بھی صحیح ہے۔ (سلسلة الأحادیث الصحیحة: 1146)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ دو آدمی ملتے ہیں تو پہلے کون سلام کہے گا، فرمایا:

«أَوْلَا هُمَا بِاللّٰهِ». (جامع ترمذي: 2167)

''دونوں میں سے جو اللہ کے زیادہ قریب ہے۔''

اب آتے ہیں فقہ حنفی کی طرف کہ اس میں ان تعلیماتِ رسول ﷺ کے برعکس کیا طرزِ عمل اور خود ساختہ طریقے اختیار کیے گئے ہیں؟

علامہ ابن عابدین حنفی رد المختار میں رقمطراز ہیں:

وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ: وَيُسَلِّمُ الْآتِي مِنَ الْمِصْرِ عَلٰى مَنْ يَّسْتَقْبِلُهٗ مِنَ الْقُرىٰ وَقِيْلَ: يُسَلِّمُ الْقُرَوِيُّ عَلَى الْمِصْرِيِّ. (رد المحتار: 5/295)

''شہر سے آنے والا (راستے میں) دیہات سے آنے والے کو سلام کہے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیہاتی شخص شہری کو سلام کہے گا۔''

یہ مسئلہ عالمگیری میں بھی مذکور ہے:

اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِي الْمِصْرِيِّ وَالْقُرَوِيِّ، قَالَ بَعْضُهُمْ: يُسَلِّمُ الَّذِيْ جَآءَ مِنَ الْمِصْرِ عَلَى الَّذِيْ يَسْتَقْبِلُهٗ مِنَ الْقُرىٰ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَلَى الْقَلْبِ. (فتاویٰ عالمگیری: 5/325)

''لوگوں نے شہری اور دیہاتی کے سلام کے بارے میں اختلاف کیا ہے، بعض نے کہا کہ شہر سے آنے والا دیہات سے آنے والے کو سلام کہے گا اور بعض نے اس کے الٹ کہا ہے۔''

محترم قارئین! اسے آپ ہی کوئی نام دیں، کیا یہ شریعت کے اندر اپنی ایجاد سازی نہیں ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ کافی نہیں ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے تو یہ طریقہ نہیں بیان کیا ہے؟ آؤ دیگر عجائب بھی سنیں: عالمگیری میں ہے:

اِسْتَقْبَلَهٗ رِجَالٌ وَنِسَآءٌ يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ فِي الْحُكْمِ لَا فِي الدِّيَانَةِ كَذَا فِي الْوَجِيْزِ لِلْكُرْدَرِي.

''راستے میں ایک شخص کو مرد اور عورتیں ملیں تو یہ شخص ان کو حکماً سلام کہے گا دیانۃً نہیں۔ کردری کی ''وجیز'' میں اسی طرح ہے۔''

اب بتاؤ کس دلیل کی بنیاد پر یہ بات کہی جا رہی ہے؟ دلیل کوئی نہیں ہے بلکہ یہ تو خود دلائل صحیحہ کے خلاف مسئلہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم یہ ہے کہ: تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کہیں۔ یہاں پر مرد زیادہ اور پھر عورتیں بھی ساتھ مل کر پوری جماعت کثیر تعداد ہے لیکن سلام دیانۃً ختم ہے۔ یعنی نہ کہنے میں کوئی گناہ نہیں۔

پرانے و نئے سب ایک ہیں

بعض لوگ یہاں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسے مسائل اگرچہ فقہ حنفی کے اندر موجود ہیں لیکن پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اب کے احناف کا اس پر عمل نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے مسائل چھیڑنا اختلافات کو ہوا دینا ہے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم واقعی طور پر نہ تو اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی ہمارا منہج ہے، بلکہ ہماری کوشش یہ ہے کہ اختلافات کو ختم کر دیں اور اختلافات ختم ہونے کا بہترین اور کارگر نسخہ قرآن نے بتا دیا ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ ۔[النساء: 4: 59]

''اگر تم کسی چیز کے بارے میں اختلاف ونزع کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو۔ (یعنی قرآن وسنت سے راہنمائی لے لو)۔''

ہماری دعوت ہی یہی ہے کہ سب مسلمان کتاب وسنت کی طرف لوٹ آئیں، مذکورہ مسائل میں ہم نے اللہ کے فضل سے قرآن وسنت سے مضبوط دلائل پیش کر کے خود ساختہ مسئلوں کی غلطی اور مصنوعیت واضح کر دی ہے اور اس سے مقصد یہی ہے کہ ہمارے مسلمانوں کو اصل دین کا پتہ چل جائے اور اسی پر عمل پیرا ہوں۔

مذکورہ مسئلے جس طرح احناف قدیم کی کتابوں میں موجود ہیں اور وہ لوگ اس پر عمل پیرا رہے، اسی طرح آج کے احناف بھی اس کو اپنی کتابوں میں لکھتے جا رہے ہیں، بلکہ اس بارے میں تو پہلے سے بھی زیادہ مستعدی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ کتابوں، رسائل، فتاویٰ جات، پوسٹر اور اشہارات کی شکل میں مذکورہ مسائل لکھے اور شائع کیے جاتے ہیں۔ مساجد میں ان خود ساختہ مسائل کے اشتہارات چسپاں کیے جاتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں کراچی کے دیوبندی احناف کے مفتی اعظم رشید احمد صاحب اپنے فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' (136/8) میں اس مسئلے کے بارے میں رقمطراز ہیں:

مواقع کراہتِ سلام درج ذیل ہیں:

1......جو شخص جواب دینے سے عاجز ہو اسے سلام کہنا، خواہ حقیقتاً عاجز ہو جیسے کھانے میں مشغول ہو یا شرعاً عاجز ہو جیسے نماز، اذان، اقامت، ذکر، تلاوت، علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم میں مشغول ہو۔

2......قاضی کو مجلس قضاء میں خصمین کا سلام کہنا۔

3...... نامحرم جوان عورت۔

4...... برہنہ شخص۔

5 ...... پیشاب پاخانہ میں مشغول شخص۔

6 ...... شطرنج وغیرہ میں مشغول شخص۔

7 ...... بیوی کے ساتھ مشغول شخص۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ بزازیہ، خانیہ، تتاریہ، وجیزیہ، شامی اور عالمگیری کے پیروکار احناف کی طرح موجودہ احناف بھی انھیں مسائل پر نظریاتی و عملی طور پر عمل پیرا ہیں۔

لہٰذا ''إِنَّمَا الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ'' کے تحت یہ چند اوراق سپرد قلم کیے گئے ہیں۔

چونکہ مفتی رشید احمد صاحب کے بیان کردہ مواقع کراہت سلام وہی ہیں جن پر پہلے سیر حاصل بحث ہوئی ہے لہٰذا اس پر یہاں دوبارہ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اس بارے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

جناب مفتی رشید احمد صاحب نے کہا: ''جو شخص جواب دینے سے عاجز ہو اسے سلام کہنا، خواہ حقیقتاً عاجز ہو جیسے کھانے میں مشغول شخص یا شرعاً عاجز ہو جیسے نماز، اذان، اقامت، ذکر، تلاوت، علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو'' یعنی ان لوگوں کو سلام کہنا مکروہ ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے پیش رووں کی طرح کھانے میں مشغول کو حقیقتاً عاجز قرار دیا۔ ہم نے اللہ کے فضل سے گزشتہ اوراق میں اس خود ساختہ عاجزی کی قلعی کھول دی ہے مزید برآں یہ حقیقت ہے کہ ان کی اس خود ساختہ کراہت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، اور نصوص کے مقابلے میں استعمال کی جانے والی عقل بھی ان کا ساتھ نہیں دے رہی ہے، ان کے بقول اگر کھانے میں مشغول شخص حقیقتاً عاجز ہے تو اگر یہ لوگ ذرا عقل ہی استعمال کرتے تو پھر تو صورت یہ بنتی کہ کھانا کھانے والا چونکہ سلام کے جواب سے حقیقتاً

عاجز ہوتا ہے لہٰذا اس سے جواب دینا ساقط ہے۔ رہ گیا سلام کہنے والا تو وہ عام سنت جاریہ پر عمل کر کے سلام کہے۔ سلام کہنا علیحدہ حکم ہے اور جواب سلام علیحدہ حکم ہے۔ اگر ایک شخص بالفرض عاجز ہے تو دوسرے کو تو اس حکم پر عمل کرنے دو، احناف نے گونگے کو سلام کہنا مکروہ نہیں لکھا ہے حالانکہ وہ حقیقتاً جواب دینے سے عاجز ہے۔ احناف نے بہت سی جگہوں میں اس کے اشارے کو مثل کلام کے مانا ہے۔ نکاح، طلاق، بیع اور وصیت میں گونگے کے اشارے کو مثل کلام ونطق کے تسلیم کیا ہے۔ (دیکھئے رد المحتار: 584/2، الفقہ الإسلامی و أدلتہ)

یہاں بھی ان کے ہاں کھانے میں مشغول حقیقتاً عاجز ہے تو سر یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دینے کا مسئلہ بیان کرتے۔ خلاصہ یہ کہ کھانے میں مشغول شخص نہ حقیقتاً عاجز ہوتا ہے اور نہ ہی حکماً وشرعاً۔ یہ احناف کا ایک مسئلہ ہے جس کی نہ تو شریعت تائید کرتی ہے اور نہ ہی عقل۔

پھر محترم مفتی صاحب نے فرمایا: ''یا شرعاً عاجز ہو جیسے نماز اذان وغیرہ'' شرعاً عاجز کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے اسے سلام کے جواب دینے سے منع کیا ہے اسے شریعت نے عاجز بنا دیا ہو۔ اب یہاں نمازی شرعاً عاجز ہے یعنی شریعت نے اسے سلام کا جواب دینے سے منع کیا ہے اور اس کے متبادل کے طور پر ہاتھ کے اشارے سے جواب سلام کی تعلیم دی گئی ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ مواضع یعنی اذان، اقامت، ذکر، تلاوت، علوم دینیہ کی تعلیم وتعلم میں مشغول ہونے والے کس آیت اور کس حدیث کی رو سے عاجز قرار پائے ہیں؟ اور ان کو سلام کہنا کس آیت وحدیث کی رو سے ممنوع قرار دیا گیا ہے؟ وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے؟

جناب مفتی صاحب نے ان عاجزین کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے ان کو سلام کیا تو ان پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، یعنی ان کی طرف سے سلام کا جواب دینا جائز تو ہے لیکن واجب نہیں ہے[جیسا کہ یہ بات ابن عابدین شامی نے رد المحتار (1/، 55، 56، 57) اور (293/5) میں لکھی ہے اور فتاویٰ عالمگیری کے صفحہ (325) میں بھی ہے۔]

اب یہ شرعاً عاجز کس طرح قرار پائے؟ اس تضاد بیانی اور پیچیدگی کا کیا حل ہے؟

باقی مسائل کے بارے میں بھی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ وضاحت یاد رکھیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شطرنج کھیلنے والوں کو سلام کہنا درست ہے اور پیشاب کرنے والوں کو سلام کہنا صرف مناسب نہیں ہے اور وہ جواب دل میں دیں گے۔

آخر میں میں اپنے حنفی بھائیوں سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ اس تضاد بیانی اور سنت مخالف طرز عمل کو اللہ کے لیے چھوڑیے؛ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے قبر میں امتیوں کے آراء و مذاہب کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ سوال رب کے بارے میں ہوگا، دین کے بارے میں ہوگا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں۔

میرے بھائیو! ان تمام تضاد بیانیوں اور پیچیدگیوں کا بہترین اور واحد حل قرآن و سنت کی طرف رجوع ہے قرآن وسنت کی طرف رجوع سے اللہ کے فضل سے تمام پیچیدگیاں دور ہو جاتی ہیں۔ تو آیئے آباء اور آراء الرجال کی جکڑ بندیوں کو توڑ کر قرآن وسنت کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جایئے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ
وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ.

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتب سے ماخوذ
صحیح احادیث کی روشنی میں کبار علمائے امت کی تشریحات کے ساتھ
پیارے رسول ﷺ کی پیاری وصیتیں
ترجمہ شیخ حافظ محمد عمر
سائز: 23X36/16 (8.5 X 5.5")
محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتب سے ماخوذ
صحیح احادیث کی روشنی میں کبار علمائے امت کی تشریحات کے ساتھ
صحیح آداب و اخلاق
ترجمہ
شیخ مولانا سعید الرحمٰن ہزاروی
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس
سائز: 23X36/16 (8.5 X 5.5")

طبقات الصوفیہ
ابی عبد الرحمن محمد بن الحسین السلمی

عورت
مسلمان
ابوالکلام آزاد

اخبار الاخیار

معجزات النبی
الامام ابن کثیر